مِنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا

سلسلۂ دار المصنّفین

نمبر ۲۸

نِٹشے

یعنی مشہور جرمن فلاسفر فریڈرک نِٹشے کے سوانح، تصنیفات، خیالات، افکار، اور نظریوں پر بحث و تبصرہ

مُؤلّفہ

ایم، اے، مگّے،

مُترجمہ

پروفیسر سیّد مظفر الدّین ندوی ایم اے

لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی، رفیق دار المصنّفین اعظم گڈھ

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

فہرست

باب اوّل
سوانحعمری اور تصنیفات
از صفحہ ۱۰ تا صفحہ ۴۲

باب دوم

"ماورائے خیر و شر"

از صفحہ ۴۲ تا صفحہ ۶۴

باب سوم

مسیحیت کی تردید

از صفحہ ۶۴ تا صفحہ ۷۶

باب چہارم

"فوق البشر"

از صفحہ ۷۶ تا صفحہ ۱۰۲

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ از مترجم

فلسفہ نٹشے (ازایم۔ اے مگ) کا ترجمہ کرنے کا خیال مجھے ۱۹۲۱ء مین ہوا جب مین بی، اے مین پڑھتا تھا، اور خارجی طور پر پیغام کلکتہ کے لیے انگریزی مضامین کا ترجمہ کرتا تھا، میرے محترم دوست مولوی عبدالرزاق ندوی (فاضل مصر) اڈیٹر پیغام نے مجھے یہ کتاب لاکر دی اور اس کو اردو جامہ پہنانے کی فہمایش کی، چونکہ کتاب پیچیدہ اور مغلق ہے، علاوہ ازین اس مین جرمن الفاظ بھی موجود ہین اسلیے قدرتی طور پر مجھے پس وپیش ہوا، لیکن جب فہمایش حدّ اصرار تک پہنچگئی تو تعمیلِ حکم کے لیے آمادہ ہوا، دو ماہ کی کدوکاوش کے بعد ترجمہ ختم ہوا لیکن مجھے اپنی کارگذاری پر اعتماد نہ تھا، مجھے برابر یہ اندیشہ رہا کہ یہ خدمت کماحقہٗ انجام نہین پائی، اسلیے اس وقت سے مسودہ رکھا رہا اور طباعت کی نوبت نہین آنے پائی،

اس اثنا مین استاذی مولٰنا سید سلیمان ندوی اڈیٹر معارف کی تحریک پر مین نے نٹشے کے فلسفہ پر متعدد مضامین لکھے جو یکے بعد دیگرے معارف مین شائع ہوئے، قارئین کرام نے ان مضامین کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو شرفِ قبولیت بخشا، اس قدردانی نے میری ہمت

بڑھائی، چنانچہ مین نے از سرِ نو مسودہ پر نظرِ ثانی کی، حاشیہ پر نوٹ لکھے، ترجمہ پر مقدمہ لکھا اور اب بحمداللہ اس قابل ہوا ہون کہ یہ ناچیز ہدیہ پبلک کی خدمت مین پیشکش کرون، ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف،

نٹشے کے حالاتِ زندگی اور سوانح عمری مؤلف نے خود بالتفصیل لکھے ہین، ان مین اضافہ کرنا دشوار بھی ہے اور غیر ضروری بھی، مین فقط یہ کہنا چاہتا ہون کہ جو شخص اسکے واقعاتِ زندگی کا غور و خوض کے ساتھ مطالعہ کرے گا وہ ضرور اس نتیجہ تک پہنچیگا کہ نٹشے مجدّد اور ریفارمر کی شان رکھتا تھا، علامہ شبلی نعمانی مرحوم و مغفور نے مجدّد یا ریفارمر کے لیے حسب ذیل شرطین لازمی قرار دی ہین[1]

۱- مذہب، علم یا سیاست مین کوئی مفید انقلاب پیدا کرے،

۲- جو خیال اس کے دل مین آیا ہو کسی کی تقلید سے نہ آیا ہو بلکہ اجتہادی ہو،

۳- جسمانی مصیبتین اٹھائی ہون، جان پر کھیلا ہو، سرفروشی کی ہو،

اس تعریف کی رو سے نٹشے بھی دنیائے اخلاقیات کا مجدد اور ریفارمر تھا، اس نے مروجہ اخلاقیت کی دھجیان اڑائین اور مسیحیت کے پرزے پرزے کر دیئے اور ان کی جگہ ایک بہتر فلسفہ اخلاق دنیا کے سامنے پیش کیا، اُسکے نظریئے اکثر اجتہادی تھے، نہ اس نے کسی کی تقلید کی اور نہ وہ کسی کو قابلِ تقلید سمجھتا تھا، اُسے اس راہ مین جسمانی، روحانی، دماغی غرض ہر قسم کی مصیبتین جھیلنی پڑین اور اسی مین اس نے جان دی،

نٹشے نے جو انقلاب پیدا کیا وہ مفید ہے یا مضر، اس کا جواب مستقبل دیگا، لیکن اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ اس کے بعض اصول نہایت معقول ہین، ڈاکٹر سر اقبال جن سے بڑھکر حقیقت کی ترجمانی اور کون کر سکتا ہے، نٹشے کے متعلق لکھتے ہین[2]:-

---

[1] مقالاتِ شبلی - ابن تیمیہ کے حالاتِ زندگی ہین، [2] پیام مشرق

اگر تو خواہی زیشیں او گریز | در نئے کلکش غریو تندر است
نیشتر اندر دلِ مغرب فشرد | دستش از خونِ چلیپا احمر است
آنکہ بر طرحِ حرم بتخانہ ساخت | قلب او مومن دماغش کافر است
خویش را در نارِ آن نمرود سوز | زانکہ بستانِ خلیل از آذر است

نٹشے کے فلسفہ کے خاص خاص اصول اور مسائل پر کتاب کے اندر کافی بحث موجود ہے، جس سے قارئین کو بخوبی پتہ چلیگا کہ اس کا فلسفہ کس شے سے عبارت ہے اور اس کے فلسفہ کو دیگر فلسفیون کے فلسفہ سے کیا نسبت ہے، لیکن مؤلف نے اس کے تمام فلسفیانہ نظریون کو مجتمع نہین کیا ہے، اور یہ بہت ممکن ہے کہ اس کے فلسفہ پر مجموعی رائے قائم کرنے مین دقت ہو، اس لیے مین اس کے فلسفیانہ خیالات کو یہان نمبروار درج کرتا ہون :-

۱- جتنے مسلک و نظریئے عالمِ وجود مین آئے یا جتنے تصورات وقتاً فوقتاً قائم کیے گئے، سب مجموعۂ اغلاط ہین، اور دنیا کی موجودہ تہذیب و تمدن سے تزکیۂ اخلاق ناممکن ہے، اس لئے انسان کا نصب العین یہ ہے کہ ایک جدید فلسفہ، ایک جدید اخلاقیت اور ایک جدید تمدن قائم کرنا چاہیئے،

۲- اشیاء کی قدر و قیمت مین کسی کی نیت و ارادہ کو دخل نہین ہے، نتائج اور صرف نتائج پر تمام اشیائے عالم کی نیکی و بدی موقوف ہے،

۳- شوپن ہار کا فلسفہ "فلسفۂ عزم" تھا، نفس عزم مین نٹشے اس کا ہمخیال تھا، لیکن اس کا دعویٰ تھا کہ یہ عزم و ثبات اور جد و جہد صرف حیات کے لیے نہین ہے (جیسا کہ ارتقائین وغیرہ کا خیال ہے) بلکہ قوت و طاقت کے لیے، پس نٹشے کا فلسفہ "فلسفۂ عزم للقوۃ" تھا، اسی پر وہ سائنس اور تمام حقائق و معارف کی بنیاد قائم کرنا چاہتا تھا،

۴- "دماغ" "حیات" کے ہاتھ مین صرف ایک اوزار ہے جسے ہم عقلِ خرد (LITTLE REASON)

کہتے ہین، اور یہ دماغ یا عقل خرد "جسم" کا ساختہ وپرداختہ ہے، سب سے بڑی عقل خود "جسم" ہے،

۵- علم اسی حد تک مفید شے سمجھا جاسکتا ہے جس حد تک وہ بقائے حیات اور حصول قوت مین معاون ہو، اس روسے "مغالطہ" اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ "حق"

۶- حق وباطل، حسن وقبح، خیر وشر، نیکی وبدی یہ سب تعبیری اوصاف اور اضافی الفاظ ہین ان کی کوئی مستقل ہستی نہین، ان کا وجود بالعرض ہے نہ کہ بالذات،

۷- انسانی ترقی کی آخری منزل "فوق البشر" ہے پس ہر اس مذہب یا مسلک کو ملیامیٹ کردینا چاہیئے جو اس کے لیے سد راہ ہو،

۸- دنیائے انسانی درحقیقت حسیات وجذبات کی دنیا ہے، اب تک دنیا کے متعلق جتنی رائین قائم کیگئی ہین، ان کی تہ مین یہی حسیات وجذبات پنہان رہے ہین، اور ان تمام حسیات وجذبات کا واحد مرکز "عزم للقوۃ" ہے،

۹- بنی آدم اپنے اوضاع واطوار اور اخلاق وعادات سے ہر زمانہ اور ہر ملک مین دو طبقون پر منقسم رہے ہین، اور یہ تقسیم "تفریق اخلاقیت" کو مستلزم ہے، طبقۂ خواص کے واسطے معیار اخلاق شرافت ورذالت اور قوت وضعف ہے، طبقۂ عوام کے لیے معیار اخلاق نفع وضرر اور حظ وکرب ہی،

۱۰- چونکہ صنف نازک، عزم وثبات مین صنف غالب کی ہمسری نہین کرسکتی، اسلیے قدرتی طور پر عورتون کو مردون کے برابر حقوق واختیارات نہین ملنے چاہئین،

ترجمہ کے بارے مین یہ عرض ہے کہ انداز بیان کی پیچیدگی اور جرمن الفاظ کی موجودگی کی وجہ سے مجھے اس کام مین بہت دقت پیش آئی، میری تمنا تھی کہ ترجمہ بامحاورہ بھی ہو اور لفظی بھی، لیکن اکثر مقام پر اس تمنا کا پورا ہونا ناممکن تھا، اسلیے مین نے تمام پیچیدہ عبارات کا آزاد ترجمہ کیا ہے، تاکہ قارئین کرام کو مطالب اخذ کرنے مین سہولت ہو، بہرحال مین نے اس کا التزام کیا ہے کہ کوئی

ضروری بات ترجمہ سے نہ رہ جائے، جہان کسی شخص یا کسی کتاب کا حوالہ آگیا تو مین نے وہین اسے ارد و مین لکھدیا ہے اور حاشیہ پر اسے انگریزی مین لکھا ہے، مین نے تقریبًا تمام مشاہیر کے حالات زندگی مختصرًا حاشیہ پر لکھدیئے ہین، جرمن اسمار کا تلفظ عمومًا انگریزی قاعدہ سے کیا ہے، اس لیے لغزش ہونی لازمی ہے، (حاشیہ پر ان کا صحیح املا درج ہے تاکہ کسی کو اشتباہ نہ ہو)

اس سلسلہ مین مین اپنے محترم عزیز مولوی سید نورالہدیٰ ندوی بی اے (آنرز) مرحوم ومغفور کا ذکر کئے بغیر نہین رہ سکتا، مرحوم ترجمہ مین برابر میرے معاون ومددگار رہے، ترجمہ کو اوّل سے آخر تک دیکھا، جابجا تصحیح کی، مشورے دیئے اور حواشی پر نوٹ لکھنے کی مجھ سے فہائش کی، مرحوم کی سعی اگر میرے شامل حال نہ ہوتی تو مجھے بہت زیادہ دشواری ہوتی، کاش مرحوم اس وقت زندہ رہتے اور اپنی دیرینہ آرزو کو پورا ہوتے اپنی آنکھون سے دیکھتے، مالک دوجہان کی درگاہ مین یہ دعا ہے کہ وہ مرحوم کو اپنی آغوش رحمت مین جگہ دے آمین، قارئین کرام سے بھی میری التجا ہے کہ وہ مرحوم کو ذکر خیر اور دعائے مغفرت سے یاد کرین،

آخر مین یہ گذارش ہے کہ ترجمہ مین غلطیان بھی ہونگی لغزشین بھی، زبان کی خامی بھی ہوگی اور عبارت کی پیچیدگی بھی، لیکن چونکہ اس میدان مین یہ میرا پہلا قدم ہے اور یہ میری پہلی علمی کوشش ہے، اسلیے قارئین سے خطاپوشی اور عیب پوشی کی امید رکھتا ہون، اگر پبلک نے میری حوصلہ افزائی کی تو بہت ممکن ہے کہ مین کسی دوسری علمی خدمت مین ہاتھ لگانے کی ہمت کرون،

خاکسار

سید مظفرالدین ندوی، لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ از مؤلف

علمی اور اصطلاحی معنون مین نٹشے فلسفی نہ تھا، لیکن خود نٹشے کا قول ہے کہ "حقیقی فلسفی وہ لوگ ہین جو مقنن ہین، حکمران ہین اور اپنے عہد کے خلاف جنگ کرتے ہین"۔ اس تعریف کی رو سے وہ یقیناً فلسفی تھا،

نٹشے فطرۃً صنّاع واقع ہوا تھا، لسانیات کی تعلیم نے اس کے اس وصف کو اور زیادہ چمکا دیا، چنانچہ اس کی تصنیفات خاصکر "خطبۂ زردشت" مین جابجا ایسی عبارتین ملتی ہین، جو لطافت و شیرینی اور شان و شوکت مین نغمون کی ہمسری کرتی ہین، اسکی دلکش عبارت آرائی اور لطیف مضمون نگاری اس کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیگی، نٹشے شاعر اور فلسفی دونون تھا،

لسانیات کی پروفیسری کے زمانہ مین اُسے نہایت تلخ تجربہ ہوا اور الفاظ کے ہیر پھیر سے بہت کچھ برداشتہ خاطر ہوا، آخر اس نے چونتیس سال کی عمر مین "الفاظ" کا مطالعہ چھوڑکر "معانی" کا مطالعہ شروع کیا، وہ اب عضویات کا سرگرم متعلم ہو گیا، اور اسکی تحریرون مین علمِ حیات کا امید افزا رنگ غالب ہو گیا، یہ سچ ہے کہ نٹشے نے "کتابون" سے بہت زیادہ اور "زندگی" سے بہت کم استفادہ کیا، نیز یہ کہ وہ علمِ حیات کا دلدادہ تھا لیکن ماہر نہ تھا لیکن اس نقص کی تلافی یون ہو گئی تھی کہ وہ انسان کے مستقبل پر بہت زیادہ اعتماد رکھتا تھا،

سر فرینسس[1] گیلٹن نے بھی (جو تمدنیات کا بانی تھا) نٹشے سے زیادہ (جو "فوق البشر" کا موجد تھا) اعتماد اور امید نہین ظاہر کی، نٹشے تمدنیات کا علمبردار تھا، نٹشے کے دعوے اور نظریے جنپر اس نے اپنی ساری کوشش صرف کر دی بالاختصار یہ ہین :-

۱- دنیا مجموعی حیثیت سے نہ اچھی ہے نہ بری، اسکی نہ کوئی غرض ہے نہ غایت، یہ ایک پُر صنعت مظہر ہے جس کا اعادہ ہمیشہ ہوتا رہیگا،

۲- اب تک نوعِ انسان کا کوئی نصب العین نہ تھا، ایک خود ساختہ نصب العین کارآمد ثابت ہوگا اور انسان کی قوت کو بڑھائے گا، "فوق البشر" کے ہاتھون یہ نصب العین قائم ہوگا، "فوق البشر" زندگی کو بہتر بنانے والی تحریک اور "عزم للقوۃ" کا مظہر ہے،

۳- ہر اس مذہب کو اور ہر اس مجموعۂ قوانینِ سیاست و اخلاق کو جو زندگی کے منافی ہو اور جو "فوق البشر" کے ظہور مین موجب توقف ہو نیست و نابود کر دینا چاہیے، صرف زبردست اور قوی الارادہ اشخاص کا تیار کردہ مجموعۂ قوانین زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے شایانِ شان ہو سکتا ہے

۴- مسیحی مذہب جسمین صرف غلامون کی اخلاقیت ملحوظ ہے، حیات انسانی کا سب سے بڑا خوفناک دشمن ہے، مسیحیت "انتخاب طبعیۃ" کا مقابلہ کرتی ہے، مسیحیت دنیا کی سب سے بڑی بدکاری اور دامنِ انسانیت کا ہمیشہ رہنے والا بدنما داغ ہے،

۵- چونکہ "فوق البشر" کے ظہور مین ابھی عرصہ درکار ہے اسلیے ہمارا مقصد سر دست ممتاز اشخاص کی ایک جماعت پیدا کرنا ہے، یہ ممتاز اور سر برآوردہ اشخاص صرف عارضی چیز ہونگے

---

[1] Sir Francis Galton انگلستان کا ایک مشہور معاشری مصلح تھا، ۱۸۲۲ء مین پیدا ہوا، اس نے تمدن پر متعدد کتابین اور رسالے لکھے، اس نے اپنی ساری کوشش ناکارون اور اپاہجون کے توالد و تناسل کی روک تھام مین صرف کر دی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا،

ان کے بعد ایک نئی صنف (فوق البشر) پیدا ہوگی،

۶۔ انسانی ترقی کی راہ مین ہماری فوری تدابیر یہ ہین، (ا) موجودہ قوانین مناکحت پر تمدنی ضروریات کے مطابق نظرثانی کرنا، (ب) نوجوانون کو مناسب تعلیم دینا، (ج) متحدہ یورپ قائم کرنا (د) مسیحیت کو نیست ونابود کردینا،

اس چھوٹی سی کتاب مین نٹشے کے فلسفہ کے خاص خاص مسائل پر صرف بحث ہوسکتی ہے، جو شخص اسکے فلسفہ کو بالاستیعاب پڑھنا چاہے، وہ اسکی تصانیف کا مطالعہ کرے، فوکس نے اٹھارہ جلدون مین ان کا انگریزی اڈیشن شائع کیا ہے، ہم اس انگریزی ترجمہ کے اڈیٹر ڈاکٹر لیوی کے شکرگذار ہین کہ انھون نے ہمین اس کتاب مین جابجا اقتباس کرنے کی اجازت دی،

نٹشے کی صحت اکثر خراب رہی جسکی وجہ سے وہ اپنے فلسفہ کو یکجا مجتمع نہین کرسکا، اسکی تحریرین گویا اوراق پریشان تھین، اسکی نصف کتابین (یعنی "حادثہ کا آغاز" "خیالات بے وقت" "خطبۂ زردشت"۔ "اخلاقیت کی ابتدا"۔ واگنر کی حیثیت" "مسیحیت کی تردید") صحیح معنون مین مسلسل تصانیف کا حکم رکھتی ہین، اور بقیہ نصف کتابین ۲۰۰ ہ کم ومبیش غیر مربوط کہاوتون، خطبون اور امثال کا مجموعہ ہین، اسلیے اس کے فلسفیانہ مسائل کو مرتب کرنا بحد مشکل ہے، اس اعتراض کا دفاع یون کیا جاتا ہے کہ نٹشے غیر مستقل تھا، اس کے مزاجی نشیب وفراز کی یہ کیفیت تھی کہ مشکل سے کوئی مضمون ایسا ملے گا جسکا ایک بیان دوسرے بیان کی تردید نہ کرتا ہو، لیکن یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے، نٹشے کی مدافعت ایک اور طریقہ سے کی جاتی ہے جو اس کے موزون حال ہے اور جو قارئین کے نزدیک اس کے پیغام عمل کو وسیع اور پراثر بنا سکتا ہے، اور وہ یہ ہے، نٹشے کی کمزوریان اور غلطیان کچھ ہی ہون، اگر اس کی پرامن اور محفوظ طرز زندگی پر نظر کی جائے، اسکی آزادی اور بے فکری کا خیال کیا جائے اور اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ

اُسے غریبون اور بیکسون کے حالاتِ زندگی کا رتی برابر بھی علم نہ تھا تو یہ کمزوریان قابلِ نظرانداز اور یہ غلطیان لائقِ درگذر ہین، نٹشے کی مدافعت مین یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی خرابیٔ صحت کے باوجود اپنے عہد کے خلاف جنگ کرتا تھا اور حق ہو یا ناحق وہ ہمیشہ شہسواری کے حملہ کو پاپیادہ حملون پر ترجیح دیتا تھا، یہ درست ہے کہ اس نے "کہان" "کدھر سے" اور "کیون؟" کے مسائل کا حل نہین کیا، ہم اب تک افلاطون کے غار مین ہین، لیکن اس نے "فوق البشر" کی شاندار تحریک ہمارے سامنے پیش کر دی ہے جو مشہور شاعر سوئنبرن[1] کے قصیدہ "مدحِ انسان" کا نہایت لطیف مظہر ہے، اس قصیدہ کا ماحصل یہ ہے :-

"انسان نے جنبش کی اور اپنے پاؤن کی بیڑیان کاٹ ڈالین، "نفس" انسان کیلئے دستور العمل ہے اور "دماغ" انسان کے لیے مشعلِ ہدایت، "روح" اور "حق" ایک دوسرے سے وابستہ ہین اور علم کا خزانہ انسان کے پاس محفوظ ہے، افرادِ انسانی فانی ہین مگر "انسان" غیر فانی، افراد کی زندگی کو فنا ہے، مگر "حیات انسانی" کو فنا نہین، "انسان" ایک نہایت شاندار جوہر ہے کیونکہ وہ تمام اشیاء کا مالک ہے،

---
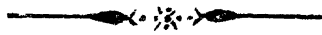
[1] A. C. Swinburne انگلستان کا مشہور شاعر اور انشا پرداز تھا، ۱۸۳۷ء مین پیدا ہوا، اس نے متعدد نظمین اور قصیدے لکھے، ٹریجیڈی مین بھی اُسے خاص دخل تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اوّل

فریڈرک نٹشے کی سوانح عمری

نام جرمن زبان مین "نزکی" (Nizki) اور "پکورنی" (Pakorni) کے معنی "خاکسار" کے ہین، جرمنی مین اکثر اشخاص "پکورنی" کہلاتے ہین، لیکن "سلیوک خاندان" کے لوگ عموماً "نزکی" کہلاتے ہین؛ یہ لفظ مختلف طریقون سے لکھا جاتا ہے، جن مین ایک نٹشے (Nietzsche) بھی ہے،

نسب نٹشے اور اس کی بہن نے اپنا خاندان بہت اعلیٰ بتایا ہے، اس اعلیٰ نسبی پر اوّل الذکر کو خصوصیت سے ناز تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے خود دار فلسفی کے اخلاق و عادات پر اس کی خاندانی رفعت کا بہت کچھ اثر پڑا ہے، نٹشے اپنے آپ کو "کونٹ" یعنی "نواب" کے خاندان سے بتاتا ہے، جو مذہبی عقائد کی بنا پر پولینڈ سے فرار ہو گیا تھا، اس سے بچپن مین کسی نے یہ بات کہدی ہو گی اور اسے یقین آگیا، چنانچہ ایک روز فخریہ کہنے لگا کہ "کونٹ نٹشے" کبھی جھوٹ نہین بولتا،

اب تک کسی نے یہ نہین ثابت کیا کہ آیا نٹشے کا یہ بیان واقعیت پر مبنی تھا یا نہین، ہمین خود نہین معلوم، بہر حال یہ عجیب بات ہے کہ جمہوریت کا جانی دشمن، امارت و ریاست کا دلدادہ اور تواضع و خاکساری کے خلاف ہر تحریک کا حامی ایسے نام سے مشہور ہوتا ہے جس کے معنی "خاکسار" کے ہین اور مسیحیت کا دشمن ایسے گھرانے مین پیدا ہوتا ہے جو نسلاً بعد نسلٍ پادریون کا خاندان تھا،

پیدائش — فریڈرک نٹشے، راکن مین ۱۵ اکتوبر ۱۸۴۴ء کو پیدا ہوا، اس کا باپ "کارل لڈوک نٹشے" راکن کا پادری تھا جو پروشیا کا ایک چھوٹا سا گاؤن ہے، اسکی شادی "فرینسیکا اوہلر" سے ۱۰ اکتوبر ۱۸۴۳ء کو ہوئی تھی، میان بی بی دونون کے آباؤ اجداد پادری تھے، فریڈرک نٹشے کے بعد ان کی دو اولادین اور ہوئین، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، لڑکا دو برس کے اندر فوت ہوگیا اور لڑکی (ایلیزبتھ) اپنے نامور بھائی کے بعد بھی زندہ رہی بلکہ اب بھی زندہ ہے، اور وائیمار مین سکونت پذیر ہے، ایلیزبتھ اپنے بھائی کے فلسفہ کی بیحد قدردان ہے اور اسکی زندگی کی ایک پرجوش سوانح نگار،

ایام طفولیت — فریڈرک نٹشے کی عمر مشکل سے چار سال کی ہوگی کہ اس کا باپ زینہ سے گرا اور اسکے دماغ پر سخت ضرب پہنچی یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ یہی حادثہ اس کے اختلال دماغ کا باعث ہوا جس کا دورہ اُسے اکثر ہو جایا کرتا تھا، بہر حال اس حادثہ کے ایک سال بعد اس نے وفات پائی، فریڈرک پر باپ کی موت نے بہت گہرا اثر ڈالا،

راکن جہان فریڈرک نے اپنی زندگی کے ابتدائی چار سال گذارے نامبرگ کے قریب ہے، جو اُس وقت ایک مرکزی شہر تھا اور جہان عام ضروریات کا سامان مہیا رہتا تھا، اس کا انتظام ایک مختصر جماعت کے سپرد تھا جسمین وکلاء، حکام، پیشوایانِ مذہب اور سربر آوردہ

حضرات شریک تھے، فریڈرک کی بیوہ مان کے اعزا نامبرگ مین رہتے تھے اسلیے یہ کنبہ بھی ۱۸۵۰ء مین وہین منتقل ہوگیا،

نٹشے اپنی عمر کے لحاظ سے بہت زیادہ سنجیدہ اور متفکر رہا کرتا تھا، وہ ایک سنسان گاؤن کو پسند کرتا تھا اور پادری ہونے کا ازحد شوق تھا، بلکہ اسکول کے طلبہ نے اُسے پادری کا لقب بھی دیدیا تھا، ایک روز کا ذکر ہے کہ وہ بارش مین اسکول سے واپس آرہا تھا، اور اس وقت اسکے پاس نہ اوورکوٹ تھا نہ چھتری، تاہم وہ نہایت اطمینان کے ساتھ پادریون کی طرح خرامان خرامان آرہا تھا، مان نے جو بےچینی کیساتھ اپنے بچہ کا انتظار کررہی تھی جھڑک کر پوچھا کہ "بارش ہورہی ہے دوڑکر کیون نہین آئے؟" نٹشے نے گھبراکر جواب دیا "امان جان اسکول کا قانون ہو کہ راستہ مین دوڑنا نہین چاہیئے"

اگرچہ نٹشے کے بعض ہمجولی اور رفیق بھی تھے تاہم وہ زیادہ تر اپنا وقت مان، بہن، دادی، اور چچی کیساتھ گذارتا تھا، عورتون کی یہ صحبت اس پر اثر کئے بغیر نہ رہی، چنانچہ اس کے مزاج مین ازحد نزاکت تھی، اسکی طبیعت مین خودنمائی کا عنصر غالب تھا، اور وہ شاعری و موسیقی کا ازبس دلدادہ اور گرویدہ تھا، نٹشے مجموعی حیثیت سے اچھا لڑکا تھا، لیکن اکثر قبل از وقت کام کر بیٹھتا تھا، دس بارہ برس کے سن مین وہ ڈرامے اور نظمین لکھتا، گھر مین ہر شخص کی سالگرہ پر وہ ایک نہ ایک نظم ضرور تیار کرلیتا، علم موسیقی اسکی زندگی کا جزو لاینفک تھا،

ابتدائی تعلیم | نٹشے جب تک راکن مین رہا اپنے باپ اور وہین کے ایک معلم سے پڑھ لیا کرتا تھا مگر جب نامبرگ مین آیا تو پہلے ایک ابتدائی اسکول مین ایک سال تک تعلیم حاصل کی اور پھر چندسال تک ایک غیر سرکاری اسکول مین پڑھتا رہا، ۱۸۵۴ء مین وہ نامبرگ کے گرامر اسکول مین داخل ہوا، اس کے باپ "کارل لڈوک نٹشے" نے پادری کا عہدہ خود ولیم شاہ پروشیا

کی سفارش سے حاصل کیا تھا اسلیئے اسکی بیوہ کو سفارشون کی کمی نہ تھی، چنانچہ ۱۸۵۸ء مین اسکے لڑکے فریڈرک نٹشے کو سپفورٹا کے ایک مشہور و معروف اسکول لینڈ اسکول مین پڑھنے کے لیے چھ سال تک وظیفہ مل گیا، نامبرگ کا مدرسہ خارجیہ تھا، (جہان دارالاقامہ نہ تھا) اور سپفورٹا کے اسکول مین دارالاقامہ بھی تھا، جہان طلبہ کے عادات و اطوار کی بھی نگہداشت کیجاتی تھی، نصاب تعلیم مین زیادہ تر یونانی اور لاطینی کتابین شامل تھین، جرمنی کے اکثر مشاہیر نے ابتدائی تعلیم اسی اسکول مین حاصل کی ہے، مثلاً نوالس (Novalis) جو مشہور شاعر تھا، شلیگل (Schelegel) جو ادبیات و لسانیات کا ماہر تھا، اور فکٹی (Fichte) جو بڑا فلسفی اور وطن پرست تھا،

نٹشے چودہ سال کی عمر مین اسکول مذکور مین ۱۸۵۸ء کے ماہ اکتوبر مین داخل ہوا، عورتون کی صحبت مین وہ اتنے عرصہ تک رہا تھا کہ اسکول کی زندگی شروع مین اُسے شاق گذری، وہ اسکول کے قوانین و ضوابط کو اچھی نظر سے نہین دیکھتا تھا، وہ طلبہ کے سامنے شرماتا تھا، اور باہر بہت کم نکلتا تھا، ہفتہ مین صرف ایک بار اپنی مان بہن سے ملنے کے لیے مکان جاتا تھا،

اس اسکول مین طلبہ کو بہت زیادہ محنت و مشقت کرنی پڑتی تھی، سیر و تفریح کا موقع بہت کم ملتا تھا، دل و دماغ کی تازگی کے لیے گاہے گاہے ان کو کھیلنے اور تیرنے کی اجازت ملتی تھی، بہت زیادہ کد و کاوش اور تگ و دو کا منشا یہ تھا کہ اسکول سے لائق محصلین پیدا ہون،

جب کتب بینی اور قواعد کی پابندی سے نٹشے کا جی گھبراتا تھا (کیونکہ مختصر چھٹی سے کثرت کار کی پریشانی بالکل دور نہین ہوجاتی) تو وہ ایک روزنامچہ مین اپنے تمام مشاہدات، احساسات اور توقعات کو یکجا قلمبند کرکے اپنی دلبستگی کر لیا کرتا تھا، اس یادداشت کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہین، کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کس قدر تخیل آرائیان کرتا تھا، اس کے تخیلات عموماً دور از کار

از قبل از وقت ہوتے تھے، غور کرو کہ چودہ برس کا لڑکا اور محاسن شاعری پر چہ میگوئیان،

اس روزنامچہ مین وہ چند سطرین بہت زیادہ اہم ہین جنسے ہمین یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے اپنے آبائی عقائد کو کس طرح بتدریج نسیاً منسیا کر دیا، وہ یکایک ایسا نہین کرتا، اوّل اوّل اُسکے دماغ مین شیلر[1]، ہولڈرلن[2] اور بیرن[3] کی تحریرین اور نیز اس کے اساتذہ کی نکتہ چینیان سبوست ہوتی ہین، اس کے بعد وہ آہستہ آہستہ دو ہزار سال کے مستند مذہب (مسیحیت) کی زنجیرون کو کاٹ کر اپنی زندگی کے جہاز کا لنگر اٹھاتا ہے اور یہ جہاز بلا ناخدا یا قطب نما کے شکوک و شبہات کے سمندر مین غوطہ کھاتا رہتا ہے،

نٹشے کے پر لطف دن تعطیل کے دن ہوا کرتے تھے جب کہ وہ نامبرگ مین اپنے اعزا کے ساتھ رہتا اور کبھی لوگون سے ملنے جلنے کے لئے دوسری جگہ چلا جاتا، چنانچہ ایام تعطیل مین

---

[1] C. Schiller جرمنی کا ایک مشہور شاعر تھا، ۱۷۵۹ء مین پیدا ہوا، اس نے ۱۷۸۰ء مین "انسان کی حیوانی اور دماغی قوت کے باہمی تعلقات" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو بہت مقبول ہوئی، اسکی دوسری مشہور کتاب "تیس سالہ جنگ کی تاریخ" ہے، وہ جرمن شاعر گیٹے کا ہمعصر اور رفیق تھا، ۱۸۰۵ء مین اسکا انتقال ہوا۔

[2] J. C. F. Holderlin (۱۷۷۰ء تا ۱۸۴۳ء) جرمنی کا مشہور شاعر تھا، اُسنے یونانی ڈرامون کا ترجمہ کیا، وہ یونانی طرز شاعری کا تتبع کرتا تھا، اس کے اشعار یکجا مجتمع نہین ہین، صرف قطعات اور چیدہ چیدہ قصیدے شائع ہوئے

[3] Lord Byron ۲۲ جون ۱۷۸۸ء مین پیدا ہوا، اسکول مین وہ مس کا ورتھ پر جو اس سے دو برس بڑی تھی عاشق ہوا، مگر اس نے بے التفاتی کیساتھ انکار کر دیا، ۱۸۱۵ء مین اسپلا سے شادی کی مگر سال کے اندر ہی تفرقہ کی نوبت آئی جسپر چہ میگوئیان خوب ہوئین، بیرن انگلستان سے بیزار ہو کر دیگر یورپین ممالک مین چلا گیا، جنوری ۱۸۲۴ء مین وہ ترکون کے خلاف یونانی جنگ مین شریک ہوا، اور سابق یونان کی عظمت و جلال پر نظمین لکھکر یونانیون کو ترکون کے خلاف بھڑکایا، فوجی خدمت مین اسے مصائب پیہم سے دوچار ہونا پڑا، ۱۹ اپریل ۱۸۲۴ء کو بخار مین مبتلا ہوا اور چند روز مین دنیا سے رحلت کی؛

ہم اسے کبھی جینا اور ڈرسڈن مین پاتے ہین اور کبھی ہارز کے پہاڑون پر،

اسکول مین اس کا آخری سال بہت پرامن گذرا کیونکہ اعلیٰ جماعت کے طلبہ پر عموماً تشدد کم ہوتا تھا اور دوسرے یہ کہ اس نے اس اثنا مین بے فکری اور آرام طلبی کی مشق کر لی تھی، کبھی وہ پروفیسرون کے ساتھ کھانا کھاتا تھا اور کبھی رفقا کی صحبت مین پیانو بجاتا تھا جرمینیہ (علمی انجمن) نے جسے نٹشے اور اس کے رفقا نے قائم کیا تھا، اس کے دل و دماغ پر بہت اچھا اثر کیا،

اس کے اسکول سرٹیفکٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل اور جرمن، یونانی اور لاطینی زبانون مین اسکی استعداد اچھی تھی لیکن ریاضی مین وہ کمزور تھا، اس نے پیفورٹا کا اسکول ستمبر ۱۸۶۴ء مین چھوڑا اور اپنے دوست ڈیوسن (Deussen) کیساتھ بون یونیورسٹی مین داخل ہوا،

یونیورسٹی کی تعلیم جرمن یونیورسٹیون کے طلبہ عموماً آزاد اور فرحت افزا زندگی گذارتے ہین، جسکی یاد کبھی فنا نہین ہوتی بلکہ ضعیفی مین بھی سکون اور طمانیت کا باعث ہوتی ہے شروع مین طلبہ کی شاندار اور پرشکوہ طرز زندگی نٹشے کو بہت مرغوب خاطر معلوم ہوئی اور چند ہی روز مین شرابی، گویا، اور جھگڑالو بن بیٹھا، لیکن باپ اور سابق استاد کی یاد اب تک تازہ تھی، اسلیے فوراً ہی اسے شراب نوشی، آوارہ گردی اور عشقبازی سے نفرت ہو گئی اور مطالعۂ کتب مین منہمک ہو گیا، اس وقت بھی اس کی دلبستگی کا واحد سامان موسیقی تھا، ابتدا مین چھ ماہ تک وہ لسانیات اور مذہبیات دونون مین مصروف رہا، لیکن بعد ازان مؤخر الذکر کو چھوڑ کر اسنے ساری توجہ لسانیات پر مبذول کی، وہ متعدد درجون مین شریک ہوتا تھا، اس کے خاص اساتذہ سپرنگل، جان، اور رٹشل تھے،

طلبہ نے نٹشے کا نام سرگلکٹ رکھدیا تھا کیونکہ وہ موسیقی کا از حد دلدادہ تھا، فرنیکونیا (کلب) مین نغمہ و سرود کے سارے کام وہی انجام دیتا تھا اُسکے پاس کی مجلسِ سماع اُسکے لیے شادی مرگ تھین،

نٹشے اب مسیحیت سے کوسون دور ہوتا جاتا تھا، ایسٹر کی تعطیل (۱۸۶۵ء) مین اس نے ایک مذہبی تقریب مین شریک ہونے سے انکار کر دیا جسپر اسکی ماں کو سخت قلق اور غصہ ہوا، اس واقعہ کے بعد اس نے اپنی بہن کو جو اس کے لیے بیحد پریشان ہو رہی تھی یہ لکھا "اگر تم روحانی سکون و مسرت چاہتی ہو تو مسیحیت پر قائم رہو، اور اگر تم حق کی حامی ہونا چاہتی ہو تو جستجو کرو"

اسی سال نٹشے بون یونیورسٹی چھوڑ کر لیپسک یونیورسٹی مین داخل ہوا، وجہ یہ ہوئی کہ ایک طرف ہم جماعت طلبہ سے اسکی کشیدگی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، اور دوسری طرف اس کا ہر دلعزیز پروفیسر رِٹکل لیپسک چلا گیا تھا، دو سال تک وہ بڑی محنت و دلسوزی کیساتھ یونانی اور لاطینی

(حاشیہ صفحہ ماقبل) ۱؎ H. von Sybel جرمنی کا ایک مشہور مورخ تھا ۱۸۱۷ء مین پیدا ہوا، جرمنی کی مختلف یونیورسٹیون مین تاریخ کا پروفیسر رہا، فرانسیسی انقلاب کی تاریخ لکھی اور یہی کتاب اسکی شہرت کا باعث ہوئی،

۲؎ O. Jahn (۱۸۱۳ء-۱۸۶۹ء) جرمنی کا ایک مشہور ماہرِ لسانیات تھا، مختلف یونیورسٹیون مین پروفیسری کی خدمت انجام دی، اوسنے "جرمن ادبیات" پر ایک زبردست کتاب لکھی، اُسنے یونانی اور لاطینی کے مشہور انشا پردازون کی تحریرونکو یکجا مجتمع کر کے شائع کیا،

۳؎ Fr. W. Ritschl جرمنی کا ایک مشہور ماہر لسانیات تھا، یونانی اور لاطینی زبانون مین ید طولیٰ رکھتا تھا، اس نے لسانیات پر متعدد رسالے لکھے ہیں، اور بون یونیورسٹیون مین وہ عرصہ تک پروفیسر رہا، ۱۸۰۶ء مین پیدا ہوا،

۴؎ C. W. Gluck (۱۷۱۴ء-۱۷۸۷ء) جرمنی کا ایک مشہور موسیقی دان تھا، اس نے بہت سے راگ اور نغمے ایجاد کیے، موسیقی پر اس نے رسالے بھی لکھے، بعد کے آنے والے موسیقی دان اسی کا تتبع کر کے مشہور و معروف ہوئے،

زبانون کو پڑھتا رہا، وہ کرٹیس، روشر، ٹیشنڈرف اور رکل کے درس مین برابر شریک ہوتا تھا، موخر الذکر پروفیسر خصوصیت کے ساتھ اس پر مہربان تھا، پروفیسر موصوف ہی کی سفارش سے اُسے یکایک نوکری ملگئی اور اسکی سرکاری زندگی کا آغاز ہوا، (تفصیل آگے آئیگی)

لیپسک مین دو سال کے عرصہ مین نٹشے نے شوپن ہار[1] کی تحریرون سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرلی، وہ اس زشت رو فلسفی پر فریفتہ ہوگیا جس کی مشہور کتاب "دنیا حقیقی اور خیالی حیثیت سے" نے اس کے خیالات مین انقلاب پیدا کر کے اس کو ہمیشہ کے لئے مسیحیت سے برگشتہ خاطر کردیا، چنانچہ اسکی تمام تصنیفات مین اسی فلسفی کے عقائد کی جھلک پائی جاتی ہے،

لیپسک مین اسکی زندگی پُرلطف گذری، ہمدرد اور مخلص رفقا کی صحبت تھی، ہر دلعزیز اور شفیق اساتذہ کی زیارت ہوتی تھی، تھیٹر اور تماشاگاہون کی سیر ہوتی تھی،

فوجی خدمت

پفورٹا ہی مین نٹشے کی قوت بینائی کمزور ہوچکی تھی، باین ہمہ اس کو ۱۸۶۷ء مین ایکسال کے لیے فوج مین داخل ہونا پڑا، کیونکہ پروشیا کی فوج مین مزید سپاہیون کی ضرورت تھی اور حکام ان لوگون کو بھی بھرتی کرلیا کرتے تھے جو عموماً معذور خیال کئے جاتے ہین، اگرچہ یہ خدمت نٹشے کی خواہشات اور توقعات کے خلاف تھی، تاہم اس نے اس سے بہت کچھ فوائد حاصل کئے،

---

[1] Schopenhauer ۱۷۸۸ء مین "ڈینزگ" مین پیدا ہوا، باپ خزانچی اور مان ناول نگار تھی، بچپن مین کاروبار مین ہاتھ لگایا، طبیعت اچاٹ ہوئی، گاٹنجن یونیورسٹی مین (۱۸۰۹ء سے ۱۸۱۱ء تک) اور برلن یونیورسٹی مین (۱۸۱۱ء سے ۱۸۱۳ء تک) علوم مادی، فلسفہ اور سنسکرت کی تعلیم حاصل کی، افلاطون اور کینٹ کا تتبع کرتا تھا، برلن مین اس نے ۱۸۲۰ء سے ۱۸۳۱ء تک فلسفہ پر لکچر دیئے مگر ناکامی ہی سے ہر جگہ واسطہ پڑا، آخر مین اس نے عزلت نشینی اختیار کی، عرصہ کے غور و فکر اور تحقیق و تدقیق کے بعد اس نے اپنے فلسفہ کو مرتب کیا، اس کا فلسفہ "فلسفہ عزم" (Philosophy Will) کے نام سے موسوم ہے، ۱۸۶۰ء مین اس نے انتقال کیا،

نامبرگ کے توپ خانے مین کچھ دن کام کرنے کے بعد وہ اچھا خاصہ سپاہی بنگیا، وہ اپنے ساتھیون مین اپنی شہسواری پر ناز کرتا تھا، لیکن اسکی فوجی زندگی اور اعلیٰ نسبی دونون نے مل کر اس کو تند مزاج، جھگڑالو اور فرعون بنا دیا،

چند مہینے کام کرنے کے بعد ایک ناگہانی حادثہ نے اسکی فوجی زندگی کا خاتمہ کر دیا، ایک روز گھوڑے پر سوار ہوتے وقت اس کے سینہ کی رگ پر ضرب پہنچی، نشتر دیا گیا، زخم تو اچھا ہوگیا لیکن کمزوری آخر دم تک باقی رہی، اگرچہ اس حالت مین بھی وہ اختتام سال تک فوجی خدمت پر مامور رہا، تاہم بہت زیادہ محنت ومشقت نہ کرسکا، خدمت سے علٰحدگی کے وقت اسکو "لفٹنٹ" کا لقب عطا ہوا،

مزید تعلیم لیپسک مین نٹشے نے پھر اپنا سلسلۂ تعلیم جاری کیا، لسانیات مین اُسے اچھی دستگاہ حاصل تھی، جسکی وجہ سے وہ پروفیسر رکل کا منظور نظر بنا ہوا تھا، اسی نے اُس پر اگلے لوگون کی عظمت کا سکّہ بٹھایا اور یونانی تمدن کی محبت اس کے دل مین جاگزین کر دی، نٹشے پہلے غیر مستقل تھا اور بیک وقت متعدد کامون مین ہاتھ لگانا چاہتا تھا، رکل ہی نے اس کو اس آفت سے نجات دلائی اب نٹشے کا قول تھا کہ انسان کو ایک ہی فن مین کامل اور ماہر ہونا چاہیئے۔

پروفیسر رکل اور حکمائے یونان کے علاوہ لیپسک کے اور دو اشخاص نے نٹشے کے خیالات واعتقادات پر گہرا اثر کیا، ایک شوپنہار جس کا ذکر اوپر ہو چکا، اور دوسرا واگنر[1] عمر بھر نٹشے موسیقی کا

---

[1] R. Wagner لیپزگ مین ۱۸۱۳ء مین پیدا ہوا، اور وینس مین ۱۸۸۳ء مین انتقال کیا، وہ موسیقیت مین ماہر تھا، امرا و روسا، اور نواب بادشاہ اسکے مداح اور قدردان تھے، اس کا اصلی کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ڈرامون کے راگ وگیت مین اصلاح کی، اس کا خیال تھا کہ ڈراما کے دلکش بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ شاعری اور موسیقی دونون کا عنصر مناسب مقدار مین موجود ہو، اگر اس تناسب کا نہ خیال کیا جائے تو ڈراما کی دلفریبی جاتی رہے گی،

شایق رہا، اسلیئے اس نے واگنر کی موسیقی اور پھر خود واگنر سے واقفیت حاصل کی، واگنر کی زبردست شخصیت کا جادو اس پر چل گیا اور وہ اس کا جان نثار چیلا بن گیا،

یونیورسٹی کی پروفیسری

بیل یونیورسٹی مین معلمِ لسانیات کی جگہ خالی ہوئی، یونیورسٹی نے پروفیسر رکل کو حقِ انتخاب دیا، اس نے مجلس انتظامیہ (سینیٹ) مین نٹشے کی سفارش ان الفاظ مین کی، "یہ جو چاہے گا کرے گا" جسپر ہمارا نوجوان فاضل چوبیس سال کی عمر مین لسانیات کا پروفیسر مقرر ہوا، اس نے اب تک "ڈاکٹر" کی ڈگری حاصل نہین کی تھی، مگر لیپسک کے "شعبۂ فلسفہ" نے امتحان لیے بغیر صرف اسکی سابق تصنیفات کے صلہ مین اُسے "ڈاکٹر" کی اعزازی ڈگری عطا کی، ۲۸ مئی ۱۸۶۹ء کو پروفیسر نٹشے نے اپنا پہلا لکچر" ہومر اور لسانیات" کے موضوع پر دیا، ابتدا مین اسکی تنخواہ ایک سو بیس پونڈ سالانہ متعین ہوئی، یہ رقم کافی نہ تھی، لیکن چونکہ اسکی چچی روزلی اس کے تعلیمی مصارف کے لیے معقول رقم چھوڑ گئی تھی اور اس کا چچا جس نے انگلستان مین کافی دولت فراہم کرلی تھی، اس کے خاندان کی امداد کیا کرتا تھا، اسلیے اسے اطمینان اور بے فکری تھی، پروفیسر نٹشے کو یونیورسٹی مین کام بہت کم کرنا پڑتا تھا، لکچر حسب دستور ہوتے تھے، مگر لسانیات کے بہرہ مین کل آٹھ طالب علم تھے، یونیورسٹی کے وقت کے علاوہ وہ مقامی اسکول کی اعلیٰ جماعت کے لڑکون کو "یونانی" پڑھاتا تھا،

ان لڑکون مین نٹشے کی زندگی پر لطف گذری، وہ عام نصابِ تعلیم چھوڑ کر ایک ادق کتاب پڑھاتا، اس کی تدریس کا نقطۂ نظر کمیت نہین بلکہ کیفیت تھا، وہ ایک ذہین اور ذکی لڑکے کو ماہر فن بنانے مین اپنی پوری قوت صرف کر دیتا اور دیگر طلبہ کو ان کی قسمت پر چھوڑ دیتا،

بیل کے لوگ عموماً الگ تھلگ رہتے ہین، اسلیئے نٹشے کو شروع مین تنہائی محسوس ہوئی، مگر کچھ دنون بعد اسکی پریشانی دور ہوگئی اور دلبستگی کا سامان ہوگیا، نٹشے نے جس کے لیے شخصیت پرستی

فطرۃ ثانیہ بن گئی تھی اپنے ایک دوست کو لکھا۔ "مجھے ایک ایسا شخص (واگنر) ہاتھ آگیا ہے جو شوپنہار کے قول کے مطابق ذہین ہے اور جس کا سینہ دل ہلا دینے والے فلسفہ سے معمور ہے، وہ دنیا کو خواب و خیال سمجھتا ہے، اس کے دل میں درد ہے، اس کے حوصلے بلند ہیں، میں اس کے قرب کو باعث تقدس سمجھتا ہون۔" (اسی واگنر کو نٹشے نے ۱۸۸۸ء میں "تباہی کا پتلہ" اور "کھڑکھڑانے والا سانپ" کا لقب دیا تھا)

واگنر سے نٹشے کی ملاقات لیپسک ہی مین ہو چکی تھی، ان دنون واگنر ٹریبشن مین رہتا تھا نٹشے وہین اس سے ملنے گیا، اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ واگنر کا جسکی موسیقی اور قومی تحریکون کے مخالف جرمنی مین بیشمار آدمی تھے کٹر اور پکا چیلا بنگیا، نوجوان نٹشے پر واگنر کا سکہ پوری طرح بیٹھ گیا تھا اور اس کے اکثر خیالات و جذبات مین یہ اثر نمایان ہے، ٹریبشن مین نٹشے کئی ہفتہ رہا، واگنر کے خاندان سے اُسے اس قدر ربط ہو گیا تھا کہ ۱۸۶۹ء کے بڑے دن مین اسکی بی بی کو سیما نے تحائف خریدنے کا کام اسی کے سپرد کیا،

جنگ جولائی ۱۸۷۰ء مین فرانس اور جرمنی کے درمیان جنگ ہوئی، نٹشے سوئس پروفیسر ہونے کی وجہ سے سوئیزرلینڈ کی رعایا مین داخل تھا، اسلیے اس نے (اگرچہ بعد کو وہ قومی تفریق اور تنگ خیالی کو ناپسند کرتا تھا) زخمیون کی تیمارداری کی غرض سے گورنمنٹ سے جنگ مین شرکت کرنے کی اجازت طلب کی، اجازت ملتے ہی وہ میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گیا، اس نے بیچون و چرا تمام سرکاری احکام و قوانین کی پابندی کی، وہ زخمیون کو جرمنی سے لے آرہا تھا کہ راہ مین ہیضہ و اسہال مین مبتلا ہو گیا، اسلئے اُسے مجبورًا اپنا کمیشن چھوڑ دینا پڑا، جنگ مین جن جگر خراش واقعات کا اس نے مشاہدہ کیا تھا وہ ان کے متعلق لب کھولنے کی بھی جرأت نہین کر سکتا تھا،

نٹشے ابھی پوری طرح اچھا بھی نہ ہوا تھا کہ یونیورسٹی مین پھر سلسلۂ تدریس جاری کر دیا،

آخرکار اُسے فوجی خدمت نیز اپنی صحت سے لاپرواہی برتنے کی سزا بھگتنی پڑی، وہ بیمار پڑا اور امراض متعددہ مثلاً اعضا شکنی، بدخوابی، آشوب چشم، بدہضمی وغیرہ کا آماجگاہ بنگیا، لوگانو مین بغرض تبدیل آب وہوا دو ماہ تک مقیم رہا، رفتہ رفتہ اسکی صحت اپنی اصلی حالت پر عود کر آئی،

حادثہ کا آغاز" اس اثنا مین نٹشے کی پہلی کتاب "حادثہ کا آغاز"[1] تیار ہوئی شروع مین کوئی چھاپنے والا دستیاب نہین ہوا، خدا خدا کرکے ۱۸۷۲ء کے آخر مین کتاب چھپی، یہ کتاب درحقیقت واگنر کی مدح تھی، کتاب کا بنیادی اصول یہ ہے،" دنیا اور ہستی کو صرف ایک "جمالی شئی" سمجھنا چاہئیے ہنر خود انسان کی آنکھون پر التباس و اشتباہ کی پٹی باندھ دیتا ہے، ہر امر کی تکمیل التباس پر موقوف ہے کیونکہ اگر ہستی کے بے سود ہونے کا علم الیقین پہلے سے ہوگیا تو پھر دنیا مین کوئی کام نہین ہو سکتا"

نٹشے یونان کے اس تمدن پر اعتراض کرتا ہے جو سقراط کے پہلے اور اس کے بعد تھا، اس کے نزدیک سقراط سے پہلے کا تمدن صرف گیت اور افسانہ سے لبریز تھا اور اس مین ظلم، تعدی اور نمائش کا رنگ غالب تھا، سقراط کے بعد کے تمدن مین بے شبہہ معقولیت اور شائستگی تھی، مگر کمزوری اور بداخلاقی کا پہلو لیے ہوئے، مصنف نے کتاب مذکور مین یہ بھی لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کا تمدن سقراط کے عہد کے تمدن سے بہت کچھ مشابہ ہے،

نٹشے کی نظر مین معاشری اصلاح کی واحد صورت یہ ہے کہ واگنر کے پر اسرار نغمہ وسرود کو حیات انسانی کا دستور العمل بنایا جائے، نٹشے کی صرف چند کتابون مین باضابطگی اور خوش نظمی پائی جاتی ہے، ان مین ایک کتاب یہ بھی ہے، جس مبتدی کو مصنف کے حالات زندگی مطالعہ کرنا ہے اس کو اوّل اوّل اسی کتاب یا "خیالات[2] بے وقت" کو پڑھنا چاہیئے، اور ان کتابون کو پہلے نہین پڑھنا چاہیئے، جو کہاوتون کا مجموعہ ہین (مثلاً خطبۂ زردشت وغیرہ)

[1] The Birth of Tragedy [2] Thoughts out of Season

واگنر اور اسکی بی بی نے کتاب مذکور کو ہاتھوں ہاتھ لیا، لیکن عام خلائق نے ذرا بھی توجہ نہ کی، کسی شخص نے تبصرہ تک نہین کیا، بیل یونیورسٹی کے پروفیسرون نے کتاب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا، یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے طلبہ سے علانیہ کہا کہ یہ کتاب لغو اور مہمل ہے، ایک عالم لسانیات نے کتاب مذکور کے خلاف ایک رسالہ لکھا جسمین مصنف پر سخت وسست حملے تھے، اگرچہ نٹشے کے قدیمی اور قلبی دوست رہڈی نے اس رسالہ کا جواب بھی شائع کیا تاہم اُسے کتاب کی بے قدری پر سخت صدمہ پہنچا، تھوڑے دنون تک اس پر اعتراضات کی بوچھار رہی اور طلبہ کو اس کے درجہ مین شریک ہونے سے روک دیا گیا، بہرحال نٹشے کی علمی شہرت اب روز بروز بڑھتی جاتی تھی، گریفولڈ اور ڈورپاٹ کی یونیورسٹیون نے لسانیات کی پروفیسری اس کی خدمت مین پیش کی، مگر اُسنے شکریہ کیساتھ مسترد کر دیا، ہمارا خیال ہے کہ کتاب مذکور کی خبر ان یونیورسٹیون تک نہ پہنچی ہوگی، بیل یونیورسٹی نے اس جان نثاری کے صلہ مین اسکی تنخواہ ۵۰۰ پونڈ اشلنگ سالانہ کر دی، نٹشے بڑا محنتی اور جفاکش تھا، سرکاری فرائض کی انجام دہی کے علاوہ وہ عام جلسون مین لکچر دیتا اور لسانیات پر رسالے لکھتا تھا، اس کے لکچر بعنوان "ہماری درسگاہون کا مستقبل" بہت زیادہ دلچسپ ہین، وہ عوام کی سطحی تعلیم پر اعتراض کرتا ہے اور لسانیات کے طلبہ کی بیجا خصوصیتون کو خلافِ مصلحت سمجھتا ہے، اسکی نظر مین تعلیم گاہین دو قسم کی ہین، ایک وہ جو تہذیب و معاشرت کی تعلیم دیتی ہین اور دوسری وہ جو زندگی کو کامیاب بنانے کا ڈھنگ بتاتی ہین، نٹشے کا نصب العین نفس تعلیم ہے، اس کا دعوے تھا کہ "زباندانی کے پُرخار راستہ کے علاوہ اور کوئی راہ صائب الرائے ہونے کی نہین ہے، زباندانی سے میری مراد مختلف زبانون کی چھان بین کرنا نہین ہے بلکہ اپنی مادری زبان مین کمال و مہارت پیدا کرنا"

"خیالات بے وقت" ۱۸۷۳ء اور ۱۸۷۶ء کے مابین نٹشے نے یکے بعد دیگرے چار مضامین شایع کئے،

جن کو وہ "خیالات[1] بے وقت" (یا بے وقت کی شہنائی) کہا کرتا تھا، پہلے مضمون کا نام "ڈیوڈ اسٹراس[2] بحیثیت معترف و انشا پرداز" ہے جسمین وہ مشہور فلسفی اسٹراز[3] پر حملہ کرتا ہے، اور جنگ کے بعد جرمنون کی بیجا قناعت پر نکتہ چینی کرتا ہے مصنف کا خیال ہے کہ جنگ کے بعد سے جرمنی کے باشندے حد سے زیادہ قانع اور خاموش ہو گئے ہین اور یہ ان کے لیے سخت مضر بلکہ مہلک ہے، دوسرے مضمون "تاریخ[4] کا جائز و ناجائز مصرف" مین وہ ان علمائے تاریخ پر اعتراض کرتا ہے جو تاریخی معلومات کو زندگی کا نصب العین قرار دیتے ہین چنانچہ وہ لکھتا ہے "ہم کو تاریخ کی اسی حد تک قدر کرنا چاہیئے جس حد تک یہ ہماری زندگی کے کام آئے، اس سے تجاوز کرنا زندگی کو بے لطف اور بدمزہ بناتا ہے، تاریخ سے زیادہ کام لینا مستقبل کے لیے خطرہ سے خالی نہین، کیونکہ اس سے التباس واشتباہ کا پردہ چاک ہو جاتا ہے حالانکہ یہ اشیاء عالم کی ہستی اور بقا کے لیے اشد ضروری ہین" تیسرے مضمون "شوپنہار[5] بحیثیت معلم" مین وہ شوپنہار کی از حد مدح و ثنا کرتا ہے اور اس کو زبردست فلسفی اور آنیوالی نسلون کے لیے "بہترین نمونۂ عمل" قرار دیتا ہے، چوتھے مضمون "بیرتھ[6] کا رچرڈ واگنر"

---

[1] "Thoughts out of season"

[2] "David Strauss, The Confessor & The Writer"

[3] David Strauss جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا (۱۸۰۸ء تا ۱۸۷۴ء) وہ ہیگل کا شاگرد تھا اسکی مشہور کتاب "حیات مسیح" ہے جس مین اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ انجیل کی تمام باتین انسانون سے زیادہ وقیع نہین ہین، قدرۃً عیسائی اس کے مخالف تھے، اس نے فلسفہ پر متعدد کتابین لکھین جنمین سے بعض کا ترجمہ انگریزی مین ہو گیا ہے، وہ مذہب کو غیر ضروری سمجھتا تھا،

[4] "The use and Abuse of History"

[5] "Schopenhauer as Educator"

[6] "Richard wagner in Bayreuth"

مین وہ واگنر کی مدح کرتا ہے، اور لکھتا ہے کہ "بیرتھ مین واگنر کی کوششون کا نتیجہ فقط یہی نہین ہوا کہ کسی خاص فن نے اپنے چہرہ سے گمنامی کی نقاب اتار پھینکی بلکہ نفس "علم" عالم وجود مین آگیا، واگنر کی جرمن شاعری سلاست، روانی اور قادر الکلامی کا جو نمونہ پیش کرتی ہے وہ گیٹے کے سوا اور کسی کے کلام مین نہین ملتا" واگنر کے متعلق نٹشے کا آخری جملہ یہ ہے "فہم و فراست اور ذہن و ذکاوت مین واگنر کا آج تک کوئی ہمسر نہین ہوا"

نٹشے ان چار مضامین کو "خیالاتِ بے وقت" کہتا تھا، کیونکہ اس نے ان چیزون مین عیب و نقص نکالنے کی کوشش کی جنپر اس وقت سارے ملک کو ناز تھا، چونکہ ان مضامین کا لہجہ تلخ تھا اس لیے مخالفون کی تعداد اور بڑھ گئی، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کی اشاعت مصنف اور ناشر (پبلشر) دونون کے نقطۂ نظر سے بے سود ثابت ہوئی،

واگنر سے شکر رنجی

نٹشے نے واگنر کی مدح مین جو مضمون لکھا تھا وہ درحقیقت ایک قسم کی الوداع تھی، اگرچہ نٹشے نے واگنر کی تحریکون کو کامیاب بنانے مین کوئی دقیقہ فروگذاشت نہین کیا مضامین بھی لکھے اور روپئے بھی خرچ کئے، لیکن اسکے دل مین یہ بات برابر کھٹکتی رہی کہ "مین ایسا کرنے مین اپنی شخصیت کھو رہا ہون، اور پبلک مجھکو واگنر کا چیلا سمجھنے لگی ہے" یہ خیال روز بروز مستحکم ہوتا گیا اور کشیدگی اندر ہی اندر بڑھتی گئی،

یہ صحیح ہے کہ واگنر نٹشے کو صرف اپنی کامیابیون کا ذریعہ سمجھتا تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ کون صاحب ہنر ایسا ہے جو دوسرون سے اپنا کام نہین نکالتا؟ مزید بران واگنر نٹشے پر بیحد مہربان تھا اور اس کے معاملات مین خاص دلچسپی لیتا تھا، اگر نٹشے واگنر کی اس نصیحت پر عمل کرتا کہ "شادی کر کے دنیا کی سیاحی کرو" تو کون کہہ سکتا ہے کہ اس کی عظمت و شخصیت دوبالا نہ ہوجاتی؟

۱۸۷۵ء مین بڑے دن کے بعد نٹشے کی صحت پھر خراب ہوئی اور اسے تبدیل آب و ہوا کیلئے سفر جانا پڑا، اتفاق کی بات کہ ماہ اپریل مین جب کہ وہ تندرست ہوچکا تھا، اس کو ایک اور مصیبت سے دوچار ہونا پڑا، وہ ہالینڈ کی ایک خاتون "مس ٹر" کے دام محبت مین گرفتار ہوگیا، لیکن جب اُسنے عقد کی خواہش ظاہر کی تو مس موصوف نے صاف کہدیا کہ "مین اپنا دل دوسرے کو دیچکی ہون، اسلیے معذور ہون"، نٹشے کو اس ناکامی کا قلق عرصہ تک رہا،

۱۲ جولائی ۱۸۷۶ء کو واگنر نے نٹشے کے مضمون کا شکریہ ان الفاظ مین ادا کیا "رفیق من تمھاری کتاب خطرناک ہے" اور اسے بیرتھ مین آنے کی دعوت دی، نٹشے کے نام واگنر کا یہ آخری خط تھا، اس کے چند روز بعد واگنر نے نغمہ و سرود کی ایک محفل منعقد کی جسمین نٹشے بھی شریک ہوا، شہنشاہ، بادشاہ، نواب، رئیس غرض بڑے بڑے اشخاص کا مجمع تھا، ان مین واگنر پیر اور مقتدے بنا ہوا تھا، وہ اپنی اس غیر معمولی کامیابی پر بیحد نازان تھا، اس کا دماغ ساتوین آسمان پر تھا، اور اب علانیہ نٹشے سے بے رخی اور بے اعتنائی کرنے لگا، علاوہ ازین نٹشے پہلے واگنر کی موسیقی کی بابت نہایت ارفع و اعلیٰ خیالات رکھتا تھا، اب جو اُس نے بچشم خود واقعات و حقائق کا مشاہدہ کیا تو اسکی آنکھین کھل گئین، وہ مایوس ہوکر بیرتھ سے روانہ ہوگیا،

اس واقعہ کے بعد سے نٹشے کی طبیعت مین انقلاب عظیم واقع ہوا، پہلے اس مین جوش و خروش تھا، اب سنجیدگی و متانت آگئی، اس کا اعتبار اب فنون سے اُٹھ گیا، اس نے اب سائنس کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا، پہلے اس پر شاعری کا رنگ غالب تھا، اب فلسفہ کا رنگ غالب ہوگیا،

اسکی صحت پھر خراب ہوگئی اور کامل ایکسال آرام کرنے کی ضرورت پیش آئی، وہ دو دوستون کیساتھ (جنمین ایک رے تھا جس نے اسکی توجہ انگریزی فلسفہ کی طرف مائل کرائی) وہ

نیپلس گیا، تینون نے مس مسبنگ کے ہان قیام کیا جو وہان کی ایک معزز خاتون تھین اور مصنفہ بھی، انکی زندگی یہان پُرلطف گذری نٹشے چھ ماہ بعد پھر بیل یونیورسٹی چلا گیا اور سلسلہ درس و تدریس جاری کردیا "طبیعت انسانی" اگرچہ نٹشے نے تصنیف و تالیف کا کام پھر شروع کردیا، تاہم خرابی صحت کی وجہ سے وہ کسی موضوع پر مستقل اور مسلسل تصنیف نہ کر سکا، اب اس نے مثل و کہاوت کی طرف توجہ کی وہ کہاوتون کو پہاڑ کی چوٹیون سے تشبیہ دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ تک پہنچنے کی قریب ترین راہ یہ ہے کہ ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک چلا جائے، البتہ اس راہ کے مسافرون کو دراز قدم اور طویل قامت ہونا چاہیئے،

نٹشے اکثر سنسان مقامات کی سیر کرتا تھا، اور خیالات بھی اسکے دماغ مین عموماً سیر ہی کے وقت پیدا ہوتے تھے، وہ چلتے چلتے اپنے خیالات کو قلمبند کرلیتا اور پھر ان کو اطمینان کیساتھ یکجا مرتب کرلیتا، مگر وہ اپنی صحت سے مجبور تھا، وہ ان "اشارات" کو پھیلا کر کوئی مبسوط کتاب تیار نہ کرسکا، نٹشے اپنی کتاب "طلوع صبح"[۱] کے متعلق لکھتا ہے "یہ کتاب فی الفور یا بلند آواز سے نہین پڑھنا چاہیئے، اس کو صرف "حوالہ" کے مصرف مین لانا چاہیئے خصوصاً سیر و تفریح کے وقت تھوڑی دیر پڑھکر کتاب بند کر دینی چاہیئے"، یہ نصیحت مندرجہ ذیل کتابون کے مطالعہ مین بھی پیش نظر رہنا چاہیئے

۱۔ "طبیعت انسانی"[۱]

۲۔ "فرحت بخش دانائی"[۲]

مئی ۱۸۷۸ء مین "طبیعت انسانی" کی پہلی جلد شائع ہوئی جسمین چھ سو کہاوتین ہین، واگنر اور اس کے متبعین نے کتاب کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا کیونکہ مصنف اب بدل گیا تھا،

لہ "Human all too human" ۲ "The Dawn of Day"

ـــه "The joyful Wisdom"

نٹشے پہلے سقراط کی مذمت کرتا تھا، اب اسکی تعریف کرتا ہے، ذیل کی عبارت قابلِ غور ہے:۔
"اعلیٰ تعلیم کا اقتضا، یہ ہے کہ ہم سیدھے سادے واقعات اور معمولی حقائق کی قدر فلسفیون اور صنّاعون کی نظر فریب اور دل خوش کن اغلاط سے زیادہ کرین"

نٹشے کی طبیعت مین اب جمود آتا جاتا تھا، اس کا خیال تھا کہ انسان اپنے فعل مین مختار نہیین ہے، ان کہاوتون کا ایک حصہ اسیٹونسن[۵۱] کی کتاب "فنِ مطالعہ" اور سر فلپ سڈنے[۵۲] کی کتاب "شاعری کی مدافعت" کے مقابلہ مین پیش کیا جا سکتا ہے، اس حصہ کا موضوعِ بحث "مصنفون اور صنّاعون کی ارواح" ہے، اس سے مصنف کی حیرت انگیز صنّاعی اور دماغی قوت کا پتہ چلتا ہے، اس قسم کی پر اثر کہاوتین کتاب مذکور کی دوسری جلد اور "فرحت بخش دانائی" مین بھی ملتی ہین،

نٹشے روز بروز اپنے خیالات اور طریقِ عمل مین خود رائی اور خود سر ہوتا جاتا تھا، اس نے شوپنہار اور واگنر کو بھلا دیا، وہ اپنی کتاب "طبیعت انسانی" کو (جس کی دوسری جلد ۱۸۷۹ء مین دو حصون مین شائع ہوئی) "نازک وقت کی یادگار" سے تعبیر کرتا ہے، اس جلد ثانی مین بھی جو سات سو کہاوتون کا مجموعہ ہے وہ سقراط کی تعریف و تحسین کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب کہ لوگ انجیل چھوڑ کر سقراط کی کتاب "میمور بلیا" پڑھین گے،

---

۵۱ A. Stevenson (۱۸۵۰ء تا ۱۸۹۵ء) گلیسگو کا باشندہ تھا اور فن معماری مین ماہر تھا، سائنس کا سرگرم فاضل تھا، اور اپنی زبان مین مشہور انشا پرداز تھا،

۵۲ Sir Philip Sidney ۱۵۵۴ء مین انگلستان مین پیدا ہوا، ملکہ ایلیزبتھ کا مشہور درباری تھا، جرمنی مین عہدۂ سفارت پر مامور تھا، وہ سپاہی تھا، مدبر تھا، شاعر تھا، انشا پرداز تھا، وہ مختلف خوبیون کا مجموعہ تھا جسکی وجہ سے وہ ملکہ ایلیزبتھ کا منظورِ نظر تھا،

کتاب زیرِ غور کا اصل اصول یہ ہے کہ ہم کو اپنے خیالات کی صحت پر بہت زیادہ اصرار نہین کرنا چاہیئے، اعتقادات مین غلو کرنے کی کوئی وجہ نہین، ہمین تیار رہنا چاہیئے کہ موقع و محل کے لحاظ سے اپنے خیالات و اعتقادات کو خواہ باقی رکھین خواہ بدل دین"،

نٹشے پھر بیمار پڑا، اس دفعہ اسکی حالت نازک ہوگئی، آخر ۱۸۷۹ء مین جب صحت نے بالکل جواب دے دیا، اس نے یونیورسٹی کی خدمت سے سبکدوشی حاصل کرلی، مجلس انتظامیہ (سینٹ) نے ایک پُر زور خط مین اسکی خدماتِ جلیلہ کا شکریہ ادا کیا اور ابتدائی تنخواہ کے برابر اسکی پنشن مقرر کردی، بعد ازان وہ سینٹ مارز گیا جہان کچھ دن قیام کرنے کے بعد اسکی حالت سنبھلی، وہ پھر کتاب مذکور کی دوسری جلد (جس کا ذکر اوپر ہوچکا ہے) کی تیاری مین مصروف ہوا، مگر چند ہی روز مین اسکی صحت پھر خراب ہوگئی اور بڑے دن تک اسکی حالت مایوس کن ہوگئی، وہ اب سمجھنے لگا کہ موت آپہنچی،

نٹشے نے بعد ازان وینس مین موسمِ بہار گذارا، شہر کی پُر لطف آب و ہوا نے اسکی صحت پر بہت اچھا اثر کیا، وہ اب تن تنہا مختلف ممالک کی سیاحی کرتا، اٹلی، جرمنی، اور انگینڈ مین زیادہ تر وقت گذارتا تھا، ان تینون مین اُسے آخر الذکر سے خاص شغف تھا، اٹلی مین زیادہ اور جرمنی مین کم قیام کرتا تھا، اس طرح برسون سیر کرتا رہا، کبھی صحت کے خیال سے، کبھی خلوت نشینی کی غرض سے، کبھی احباب کی ملاقات کے لیے اور کبھی حق و صداقت کی جستجو کے لیے دنیا کی خاک چھانتا رہا، اس طویل و عریض سفر مین وہ وینس، جینوا، نائیس اور سلسمیری کے سوا اور کہین زیادہ نہین ٹھہرا،

نٹشے کے مزاج مین اب انکسار و سادگی آگئی تھی جینوا مین وہ اپنے ہاتھ سے ولایتی چولہے مین کھانا پکا لیا کرتا تھا، شام کو کبھی دردِ سر ہوجاتا اور وہ بلا چراغ جلائے سو رہتا، ایک دفعہ

پڑوسیون نے سمجھا کہ بیچارہ مسافر (نٹشے) اتنا تہید ست ہے کہ چراغ رکھنے کا بھی متحمل نہین، چنانچہ انھون نے اپنی طرف سے روشنی کا سامان کرنا چاہا مگر اس نے منع کر دیا، اس کے بعد سے لوگ اُسے "سینٹ" (پادری) کہنے لگے، صبح کا وقت وہ دریا کے ساحلون اور پہاڑون کی سیر مین گذارتا، جب گرمی محسوس ہوتی تو وہین فرشِ خاک پر پڑ رہتا اور بحرِ خواب وخیال مین غرق ہو جاتا، اس کا روزنامچہ ہمیشہ ساتھ رہتا تھا،

"طلوعِ صبح" ۱۸۸۱ء مین نٹشے نے ایک اور کتاب "طلوعِ صبح"[1] کے نام سے شائع کرائی، اب تک اس نے جو کچھ لکھا تھا وہ فوری اور وقتی چیز تھی، اب وہ اپنا فلسفہ پیش کرتا ہے، یہ کتاب بھی بیشمار کہاوتون کا مجموعہ ہے، جسمین تقریباً ہر قسم کے عنوان پر بحث کیگئی ہے، مجموعی حیثیت سے کتاب بہت اچھی ہے، اس کے پڑھنے سے فطرت انسانی کی اندرونی حالت معلوم ہوتی ہے، اب وہ کھلم کھلا مسیحیت کی مخالفت کرتا ہے، چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتا ہے:-

"وہ خدا جو حق پر قابو رکھنے کے باوجود افرادِ انسانی کو طرح طرح کی پریشانیون اور الجھنون مین مبتلا رکھے، اور وہ خدا جو خلائق کو حق کی جستجو مین ہمیشہ سرگردان اور پراگندہ حال بنائے رکھے کیا ظالم خدا نہ ہوگا؟"

ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ رے نے نٹشے کی توجہ انگریز ماہرین کی طرف منعطف کرائی، اسکا اثر اس کتاب مین بیّن طریقہ سے نمایان ہے، اب اس کا دعویٰ تھا کہ "صرف عضویات اور علم طب پر ہم اپنے جدید تصورات کی بنیاد قائم کر سکتے ہین"، اب نٹشے کے دل مین اسپنسر[2] کی عزت

---

[1] "The Dawn of day" [2] "Herbert Spencer" انگلستان کا ایک مشہور و معروف فلسفی تھا، ڈربی مین ۱۸۲۰ء مین پیدا ہوا، اُسنے فلسفہ کے متعدد شعبون پر رسالے اور کتابین لکھین، اسکے فلسفہ خاص کے عناصر اربعہ یہ ہین، (۱) حیات (۲) نفس (۳) معاشرت (۴) اخلاق، انکے ارتقا پر اس کے فلسفہ کی اسکیم مبنی ہے، چنانچہ یہ اسکیم چار حصون مین (۱) "حیاتی اصول" (۲) "نفسیاتی اصول" (۳) "معاشری اصول" اور (۴) "اخلاقی اصول" کے نام سے شائع ہوئی، ان کتابون کا ترجمہ مختلف زبانون مین ہو گیا ہے،

گم ہو گئی تھی، وہ اب امپڈوکلس[1]، ہیراکلیٹس[2] اور گیٹے[3] کا عقیدتمند تھا، وہ اب قدرت کی چیزون پر ناقدانہ اور مبصرانہ نظر نہین ڈالتا اور اشیائے عالم کے اغراض و مقاصد کا خیال تک ذہن مین نہین لاتا،

اس اثنا مین نٹشے کو اوّل اوّل سلسمیریا کی بلند اور خوشنما چوٹیون پر یہ خیال ہوا کہ دنیا کی ہر شے بار بار آتی ہے، اور نظر سے غائب ہو جاتی ہے، وہ اس خیال کو فخریہ "انکشاف جدید" سے تعبیر کرتا ہے، حالانکہ یہ کوئی نیا خیال نہین ہے، ابتدائے آفرینش سے اس قسم کا خیال موجود ہے، علاوہ ازین آخر اس کا حاصل کیا؟ بالفرض اگر یہ صحیح بھی ہے تو اس سے کوئی فائدہ نہین،

"فرحت بخش دانائی"

اس "تکرار ابدی" کے خیال نے نٹشے کو کچھ دنون کے لیے افسردہ کر دیا، رفتہ رفتہ افسردگی دور ہوئی اور پھر وہ نغمہ و سرود مین لگ گیا، ۱۸۸۲ء مین اوسنے اپنی بہترین کتاب "فرحت بخش دانائی"

---

[1] Empedocles قدیم یونان کا ایک مشہور فلسفی تھا، سسلی مین ۴۹۴ ق م۔ مین پیدا ہوا، وہ یونان مین جمہوری حکومت کا بانی تھا، عوام اس کو پیغمبر بلکہ دیوتا سمجھتے تھے، ۶۰ سال کی عمر مین گمنامی کی موت مرا یا روپوش ہو گیا، ارسطو کا خیال تھا کہ وہ قصداً پہاڑ پر سے گر کر مر گیا تاکہ خلائق اسے اور زیادہ مقدس سمجھین، اس کے فلسفہ کا اصل اصول یہ تھا کہ آب و باد و خاک و آتش (عناصر اربعہ) سے دنیا خود بخود پیدا ہو گئی ہے اور تمام کائنات مین محبت و عداوت یا موافقت و منافرت کا عنصر ضرور پایا جاتا ہے،

[2] "Heraclitus" قدیم یونان کا ایک مشہور فلسفی تھا، افیسس مین ۵۳۵ ق م۔ مین پیدا ہوا، دنیا کی سیر و سیاحت کرنے کے بعد اس کا دل زندگی سے اچاٹ ہو گیا، پہاڑون کے غارون مین رہنے لگا اور گھاس پات پر گذارا کرنے لگا، چندہی روز مین بیمار پڑا اور انتقال کیا، وہ "آگ" کو تمام کائنات کی جڑ سمجھتا تھا، وہ کہتا تھا کہ "آگ" ہی سے دنیا خود بخود منتج ہو گئی ہے اور "آگ" روح انسانی کے لیے روح رواں ہے،

[3] Goethe (۱۷۴۹ء تا ۱۸۳۲ء) جرمنی کا ایک مشہور و معروف شاعر گذرا ہے، وہ ڈراما نویس تھا، فلسفی تھا اور معلم اخلاق تھا، اسنے اپنی خداداد قابلیت اپنے ہموطنون کی اصلاح مین صرف کر دی، اسنے فی الحقیقت جرمنون کو سیاسی، اخلاقی اور علمی تنزل سے نجات دی،

[4] The Joyful Wisdom

پبلک [illegible] کی، اس خوش آئند روح پرور اور جان افزا کتاب کی بہترین تقریظ
یہ ہو سکتی ہے، کہ اسکی ایک نظم کی چند سطرین یہان نقل کردیجائین،
نٹشے آندھی کو مخاطب کرکے کہتا ہے:۔

"تو جو انافانا جھپٹتی ہے، بادلون سے آگے بڑھجاتی ہے، فکر و پریشانی کو رفع کرتی ہے،
آسمان کو بہالیجاتی ہے، میری سچی رفیق ہے، ہم دونون ایک ہی آغوش مین پلے ہین، ایک
ہی تقدیر ہم دونون کی رہنمائی کرتی ہے، اور ایک ہی انجام ہم دونون کے پیش نظر ہے، تو پہاڑون
خلیجون اور دریا کی لہرون مین گشت لگا، نئے نئے مقامات کی سیر کر، لیکن اُسکے ساتھ ساتھ
ہمارے علم کو پُرلطف اور فرحت بخش بنا، ہمارے ہنر کو سیر و تفریح کی مانند مرغوب خاطر کر، ہمارے
تفکرات دور کر، خستہ حالون اور بیمارون کے منہ پر خاک ڈال، ہمارے پُرفضا اور دلکش مقامات
سے غمزدون کو کوسون دور رکھ، ایسے لوگون کے لیے ہوا نہین چلا کرتی بلکہ صرف توانا ؤن کیلئے"

یہ کتاب نہایت دلکش ہے اور درحقیقت مصنف کی جدت طرازی کا تماشاگاہ ہے، اب
"تکرار ابدی" کا خیال اس کے دماغ سے دور ہوگیا اور "فوق البشر" کے زبردست تصور نے اُسکی
جگہ لی، زردشت[1] کا خیال اوّل اوّل اسکے دل مین اسی ضمن مین پیدا ہوا،

"خطبۂ زردشت" نٹشے نے اسی سال موسم بہار مین سسلی کا سفر کیا، کچھ دنون مین اسکی طبیعت
وہان سے سیر ہوگئی، بعدازان اسکی قدیم کرمفرما مس میسنگ نے اسے روم بلالیا، وجہ یہ ہوئی کہ
نٹشے نے مس موصوف کو ایک دفعہ لکھا تھا کہ "مین آپ پر اعتماد کرکے کہتا ہون کہ مجھے واقعی

---

[1] Zoroaster پارسی مذہب کا بانی تھا، قبل اسلام سارا ایران اس کا پیرو تھا، بعض لوگ
اُسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہمعصر سمجھتے ہین، "زنداوستا" مین اسکے تمام احکام و ہدایات محفوظ ہین، اسکے خیال مین "خیر" کی روح
"ارمزد" اور "شر" کی روح "اہرمن" ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتی ہین، اور انکی باہمی تکرار کی وجہ سے انسانی قلب ہمیشہ کلفتون کا آماجگاہ بنا رہتا ہے،

جس شئے کی ضرورت ہو وہ ایک وفادار رفیقۂ زندگی ہے"، اس خواہش کے مطابق نٹشے نے ایک بست سالہ لڑکی کو (جس کا نام لوسلومی تھا) منتخب کیا، نٹشے دیکھتے ہی اُسپر عاشق ہوگیا مگر جب اس نے شادی کی تجویز پیش کی تو لوسلومی نے انکار کردیا، یہ عجیب بات ہے کہ انکار کے باوجود کئی مہینے تک دونوں کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے، اور پھر یکایک منقطع ہو گئے، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس عرصہ مین کیا واقعات پیش آئے اور یکایک انقطاعِ تعلّق کی کیا وجہ ہوئی، اب نٹشے کے جاننے والون مین صرف دو شخص زندہ ہین، ایک خود لوسلومی اور دوسرے اسکی بہن ایلیزبتھ، یہ دونون بہ تقاضائے فطرت ان واقعات کا پردہ چاک کرنا نہین چاہتین جو نٹشے کے لئے فرحت بخش بھی تھے اور جگر خراش بھی، اس سلسلہ مین ایک طرف نٹشے نے ایک بہترین دوست یا رفیقۂ زندگی کے حصول کی امیدون کو ٹھکرادیا اور دوسری طرف اپنے قدیم خیرخواہ رِے کو اپنا مخالف بنا لیا، رِے نٹشے کو بدکاری کا مجرم سمجھتا تھا،

نٹشے اب دستور سے زیادہ خلوت گزین ہوگیا، وہ بالکل اکیلا تھا، سیر و گلگشت اسکا مشغلہ تھا، اس تنہائی مین وہ "خطبۂ زردشت"[1] کی تیاری مین مصروف ہوا، یہ کتاب درحقیقت نیرنگِ خیال ہے، مصنف اب "تکرار ابدی" کا خیال دور کر دیتا ہے اور ہر شے کا ایک مرکز اور محور تلاش کرتا ہے، وہ بنی آدم کو "فوق البشر" کے تتبع کی تعلیم دیتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے،

"مین تمھین "فوق البشر" کے معنی بتاتا ہون، انسان کی سطح عام سے تجاوز کرنا تمھارا فرض ہے، بتاؤ تم نے اب تک اس راہ مین کونسا قدم اٹھایا، اورون نے اپنی حیثیت سے زیادہ کام کیا اور تم ترقی معکوس کر کے آخری صف مین جانا چاہتے ہو، دنیا درحقیقت "فوق البشر" سے عبارت ہے، تم کو بھی ایسا ہی سمجھنا چاہیئے، میرے بھائیو! دنیا کے وفادار بنے رہو اور

---

[1] Thus Spake Zarathustra

لوگون کی جھوٹی اور خیالی توقعات پر ایمان نہ لایا کرو"

متذکرۂ بالا خوش آیند تمہید کے بعد کتاب کا اصل مضمون شروع ہوتا ہے، اس مین زیادہ تر خطبے اور لکچر ہین، جو زردشت نے فرضی حاضرین کے مجمع مین دیئے ہین، ایک مصنوعی قصہ ان خطبون کو ایک رشتہ مین منسلک کرتا ہے، کتاب کے ہیرو کا نام زردشت (جو قدیم ایران مین ایک مشہور فلسفی گذرا ہے) اوّل اوّل یون ہی رکھ لیا گیا مگر بعد کو متعدد توجیہین کی گئین کتاب کا پہلا حصّہ زیادہ تر "فوق البشر" پر بحث کرتا ہے اور دوسرا حصّہ "تکرار ابدی" کے نظریہ پر اگرچہ نٹشے نے اپنی خود نوشتہ سوانحعمری مین "تکرار ابدی" کے خیال کو اپنے فلسفہ کا اصل اصول قرار دیا ہے، تاہم افسوس کی بات ہے کہ اس نے اس کتاب مین بھی یہ ذکر چھیڑ دیا، اگر یہ ذکر نہ ہوتا تو کتاب صرف پرلطف اور دلپذیر گیتون کا مجموعہ ہوتی،

"قدیم اور جدید معیار اخلاق" کے باب مین جو مصنّف کی سعی و محنت کا تماشا گاہ ہے، کہین وہ "فوق البشر" کے مضمون پر قلم اُٹھاتا ہے اور کہین "تکرار ابدی" کی تلقین کرنے لگ جاتا ہے خود نٹشے کو اس اجتماع ضدین کا احساس تھا مگر وہ ان دو طرفہ خیالات کے ذریعہ سے متذکرۂ بالا دو نظریون مین مطابقت پیدا کرنا چاہتا تھا، بہرکیف کتاب زیر غور مجموعی حیثیت سے اچھی اور قابل دید ہے،

اس کتاب کے چار حصّے ہین جو یکے بعد دیگرے ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۴ء کے مابین شائع ہوئے خلائق نے اس کو لاپرواہی کی نظر سے دیکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب کی اشاعت بالکل نہ ہوئی اور مصنف کو چوتھا حصّہ اپنے جیب خرچ سے چھاپنا پڑا اور وہ بھی صرف چالیس عدد جنکو وہ احباب مین مفت تقسیم کرنا چاہتا تھا، اس سے بڑھکر بیکسی اور کس مپرسی اور کیا ہوسکتی ہے کہ اُسے کل سات آدمی ایسے ملے جنکو وہ اپنی کتاب ہدیہ کرسکا، کسی ناقد نے کتاب کا ذکر تک نہین کیا، بااین ہمہ

مصنف اس کتاب کو بنی نوع انسان کے لیے "دقیق ترین کتاب" اور بہترین عطیہ سمجھتا ہے

بعض طالب ہمارے خلوت گزین فلسفی کی ملاقات کو آتے، مگر کچھ دنون بعد وہ بھی عزلت سے کنارہ کش ہو جاتے، مقام حسرت ہے کہ نٹشے ان چند رفقا کو بھی اپنے ساتھ نہین رکھ سکا جنھے زمانہ نے اسکو وابستہ کر دیا تھا، پھر بھی اس کا یہ حوصلہ تھا کہ لائق اور فاضل رفقا کی ایک جمیعت "شاہی انجمن" کے پیمانہ پر قائم کیجائے جسکا صدر خود ہو،

"ماورائے خیر وشر" نٹشے کے روزنامچے اشارات سے بھرے ہوئے تھے، اسے کبھی کبھی خیال ہوتا تھا کہ ان کو پھیلا کر ایک ضخیم اور مبسوط کتاب تیار کیجائے جسمین فلسفہ کا سارا ذخیرہ موجود ہو، لیکن اس خیال نے کبھی عملی جامہ نہ پہنا، آخر مجبور ہو کر اس نے ان اشارات کے ایک حصہ کو مشرح کر کے "فلسفۂ مستقبل" پر ایک کتاب لکھی جسکا نام "ماورائے[1] خیر وشر" رکھا، خلائق کو ایسی کتاب کی مطلق ضرورت نہ تھی، اسلیے کسی مطبع نے اسے قبول نہین کیا، مجبور ہو کر ۱۸۸۶ء مین اس نے اپنے ذاتی خرچ سے کتاب چھپوائی، اس مین تین سو کہاوتین ہین جنمین بہت سی باتین وہی ہین جنکو وہ "فرحت بخش دانائی" مین لکھ چکا تھا، کتاب نفیس، لطیف اور جرأت آموز ہے، اور صرف ان طبیعتون کے لیے موزون ہے جو آزاد اور بیحد آزاد ہین،

مصنف نے جس خوش اسلوبی سے فلسفیون اور عام مصنفون پر حملہ کیا ہے اس سے اسکی جودت طبع کا اندازہ ہوتا ہے، آخری باب بعنوان "شریف کون ہے" نہایت دلچسپ اور حوصلہ افزا ہے، قومی اتحاد کے متعلق اسکی رائے نہایت معقول ہے، وہ متحدہ یورپ کی تجویز پر فخر کرتا ہے، مختلف اقوام پر رائے زنی کرتے ہوئے انگریزون کو "بد ترین قوم" سے موسوم کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

[1] "Beyond Good and Evil"

"انگریز چھوٹی قوم کے لوگ ہین، اپنی مرضی پر چلنے والے جانور ہین، وہ اپنی مکاری سے ساری دنیا کو بیوقوف بنائے ہوئے ہین شکسپیر جسکی طبیعت مین مراکشی، اندلسی اور سکسینی تینون کا عنصر غالب تھا، اس کے کارنامون پر ایشولس[1] کے طبقہ کا یونانی فاضل ہنسی یا غصہ کے مارے ادھموا ہو جاتا، کارلائل[2] نہایت بد دماغ اور کند ذہن تھا، انگریزون کی قوم شرابیون اور اوباشون کی قوم ہے، انگلستان کے موجودہ کارنامے بالکل عامیانہ اور سوقیانہ ہین"

نٹشے خانگی زندگی مین خلیق و رحم دل تھا، سلسماریا مین جو لوگ اس سے گاہے گاہے ملتے تھے ان کی شہادت موجود ہے، ایک انگریزی خاتون نے جسکی صحت اچھی نہ تھی ایک دفعہ اس سے کہا کہ "میرا خیال ہے کہ آپ مصنف ہین، اور مین آپ کی تصنیفات کا مطالعہ کرنا چاہتی ہون"۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ کیتھولک مذہب کی پیرو ہے، لہذا اس نے نہایت اطمینان کیساتھ جواب دیا کہ "نہین مین نہین چاہتا کہ تم میری کتابین پڑھو کیونکہ اگر وہ برحق ثابت ہوئین تو تمھاری جیسی نازک عورت جانبر نہین ہو سکتی" اب نٹشے کی تنہائی اور بیکسی حد سے زیادہ وحشت انگیز تھی،

"عزم للقوۃ" نٹشے نے "عزم للقوۃ"[3] کے نام سے اپنے فلسفہ پر ایک مستقل کتاب لکھنی چاہی جسمین وہ اشیاء کی قدر و قیمت مین تغیر و تبدل کی ضرورت ثابت کرنا چاہتا تھا، لیکن یہ ارادہ کبھی

---

[1] Aeschylus (۵۲۵ - ۴۵۶ ق م) یونان قدیم کا سب سے بڑا شاعر تھا، وہ مشہور ڈراما نویس تھا، اور ٹریجیڈی کا موجد تھا، وہ بہادر سپاہی بھی تھا چنانچہ اوس نے ستر ڈرامے لکھے اور تیرہ فتوحات کئے ہسات ڈرامے اب تک موجود ہین، جنکا ترجمہ انگریزی مین ہوگیا ہے۔

[2] A. Carlyle D.D. (۱۷۲۲ء - ۱۸۰۵ء) اسکاٹلینڈ کا باشندہ تھا، عرصہ تک پادری کی خدمت انجام دیتا رہا، اواخر عمر مین اس نے اپنی سوانح عمری لکھی جو اسکی وفات کے برسون بعد (۱۸۶۰ء مین) شائع ہوئی، اس خود نوشتہ سوانحعمری مین اسنے اسکاٹلینڈ کے باشندون کے معاشرتی حالات پر

پورا نہین ہوا، اس اثنا مین (۱۸۸۶ء کے موسم سرما مین) اس نے "حادثہ کا آغاز" "طلوع صبح" اور "فرحت بخش دانائی" کو دوبارہ شائع کیا اور ہر ایک مین دیباچہ کا اضافہ کیا جس سے اس کے روحانی جذبات پر روشنی پڑتی ہے،

۱۸۸۸ء کے اوائل مین نٹشے کی ملاقات ایک خاتون وی، پی نامی سے ہوئی، جس کا تفصیلی حال نہین معلوم، حتّٰی کہ ہم اس کا پورا نام بھی نہین جانتے، لیکن اسقدر یقینی ہے کہ دونون سین ریمو اور مانٹے کارلو ساتھ گئے، کچھ دنون کے بعد پھر اسکی صحت خراب ہوئی، عرصہ تک کوائیری (سوئٹزرلینڈ) مین زیر علاج رہا، یہان بھی اُسے اپنا فلسفہ مرتب کرنے کا خیال دامنگیر تھا، اوسنے عنوانات اور ابواب کا خاکہ بھی تیار کر لیا تھا، لیکن یہ حوصلہ پورا نہ ہونا تھا نہ ہوا، خرابی صحت اور دیگر عوائق ہمیشہ سد راہ رہے، خود نٹشے کو اس مجبوری کا احساس تھا، آخر لاچار ہو کر اس نے "اشارات" کے بعض حصون کو پھیلا کر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھنا شروع کئے، چنانچہ "ماورا سے خیر و شر" اور اس کے بعد کی تمام کتابین ("واگنر کی حیثیت"[1] اور اوسکی خود نوشتہ سوانحعمری کے علاوہ) ان ہی اشارات کی توضیح و تشریح کا نتیجہ ہین،

ان مسودون مین جو نٹشے کی وفات کے بعد شائع ہوئے ہین، ہمین وہ اشارات بھی ملتے ہین جنسے وہ اپنی کتاب "عزم للقوۃ" تیار کرنا چاہتا تھا، یہ اشارات انگریزی اڈیشن مین دو جلدون مین ہین، اور کچھ اوپر آٹھ سو صفحون پر مشتمل ہین، ان کو دیکھکر ہر شخص کو صدمہ ہوتا ہے کہ غریب نٹشے ۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۹ء تک مسلسل اور پیہم کوششون کے باوجود اپنے فلسفہ کو یکجا جمع نہ کر سکا اس کتاب کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ "تنازع للبقاء" نہین بلکہ "تنازع للقوۃ" حیات انسانی کا نصب العین ہے، نیز اس کتاب مین مصنّف "اشتراکیۃ" اور "مسیحیت" کی شدید مخالفت کرنا چاہتا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵) بھی بحث کی ہی، [1] The Case of Wagner [2] The Will To Power

اور انگلستان کے فلسفیون پر حملہ کرنا چاہتا تھا، اسکی نظر مین اسٹورٹ[۱] مل کند ذہن اور اسپنسر کا فلسفہ چار فروشون کا فلسفہ تھا، مصنف اس کتاب مین "فوق البشر" پر بھی روشنی ڈالنا چاہتا تھا، مزید برآن وہ اور بہت سے مضامین پر بحث کرنا چاہتا تھا جنمین خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر یہ ہین

۱- عزم للقوۃ اور سائنس،

۲- جمعیت اور سلطنت،

۳- ترتیبِ مدارج،

"اخلاقیت کی ابتدا" سویٹزرلینڈ کے ایک ناقد نے "ماورائے خیر وشر" پر اعتراضات شائع کئے اور اس کو "شورش انگیز اور مفسدہ پرداز کتاب" سے موسوم کیا، چند ہی ہفتے مین نٹشے نے جواب مین تین مضمون لکھے جو ۱۸۸۷ء مین "اخلاقیت کی ابتدا"[۲] کے نام سے شائع ہوئے، یہ دراصل "ماورائے خیر وشر" کی شرح ہے، اس کا موضوعِ بحث یہ ہے "انسان نے اوّل اوّل کن حالات مین "خیر وشر" کی تفریق کی؟ اور بذاتِ خود "خیر وشر" کی کیا قیمت ہے؟" اس کتاب مین جرم وگناہ اور عقوبت وسزا کی ابتدا، اور تدریجی ترقی سے بھی بحث کیگئی ہے اور واگنر پر حملہ کیا گیا ہے مصنف نے خودستائی کے پیرایہ مین جو دیباچہ لکھا ہے اس سے اس کے دماغی نشیب وفراز کی کیفیت معلوم ہوتی ہے،

اکتوبر ۱۸۸۸ء مین نٹشے ۴۴ کا ہوگیا، یہان دو قابلِ ذکر باتین پیش آئین، ایک تو یہ کہ

---

[۱] John Stuart Mill لندن مین ۱۸۰۶ء مین پیدا ہوا اور اوگنون مین ۱۸۷۳ء مین انتقال کیا، وہ قدیم یونان کے فلسفیون کا تتبع کرتا تھا اور یونانی زبان مین خاص مہارت رکھتا تھا، اس کا خاص مضمون منطق تھا اسکی کتاب "The System of Logic" مقبولِ خاص وعام ہوئی، وہ استقرائی منطق کا بانی تھا،

[۲] "The Genealogy of Morals"

اس کا قدیمی کرمفرما اروِن روڈی انتقال کر گیا جسکا قلق اسے عرصہ تک رہا اور دوسرے یہ کہ اُسے یہان دو معزز قدر دان دستیاب ہوئے، ایک ڈین جارج برنڈیز اور دوسرا فرانسیسی مورخ ٹین، مؤخر الذکر اسکی ہمت افزائی کیا کرتا تھا،

موسم سرما مین پھر وہ "عزم للقوۃ" کی تیاری مین مصروف ہوا لیکن کامیابی کی رفتار سست تھی، کیونکہ اس کے دماغ مین ہزارون ایسے عقدے گشت لگاتے تھے جنکے حل کرنے کی صورت نظر نہین آتی تھی، تنہائی الگ عذاب جان تھی، وہ اب رفاقت بلکہ مناکحت کا خواہان تھا، وہ اکثر خیال کرتا کہ "اگر مجھے واگنر کی بیوی کی طرح کوئی رفیقہ زندگی ملجائے تو پھر میری زندگی خوش و خرم گذرے گی اور مجھے آئے دن کی مصیبتون سے نجات مل جائے گی۔"

نٹشے کی صحت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی، وہ اب تنک مزاج ہوتا جاتا تھا بلکہ سنجیدگی اور دقیقہ رسی اس سے رخصت ہوتی جاتی تھی، اپریل ۱۸۸۸ء مین ڈین جارج برنڈیز نے (ڈورن مین) اس کو خط لکھا کہ "مین تمہارے فلسفہ پر لکچر کا سلسلہ شروع کرنا چاہتا ہون" اسکی مسرت کی انتہا نہ تھی کہ "میرے فلسفہ کی قدر ہو گی" وہ اب مانو کی کتاب (قانون) کا مطالعہ کرتا تھا اور اسے انجیل سے زیادہ کارآمد سمجھتا تھا، نٹشے کو اب یقین ہو گیا کہ مین جس اعلیٰ پیمانہ پر اپنا فلسفہ قلمبند کرنا چاہتا ہون اس کے لیے کافی مواد نہین ہے، اسلیے اس نے "عزم للقوۃ" کی تکمیل کا خیال چھوڑ دیا، اب وہ تخریبی رسالون کے لکھنے کی طرف متوجہ ہوا،

دیگر تصنیفات ۱۸۸۸ء مین نٹشے کے دماغ کا بالائی حصہ بیکار ہو گیا، دماغ کا نچلا حصہ اب تک بجا اور درست تھا، لیکن تحقیق اور فیصلہ کی قوت جس کے لیے صحیح و سالم دماغ کی ضرورت ہوتی ہے تقریبًا مفقود ہو گئی تھی، اس کس مپرسی کی حالت مین وہ مس مسبنگ کو لکھتا ہے "مین نے بنی نوع آدم کو دقیق ترین کتاب "خطبۂ زردشت" دیدی مین یورپ کے لیے مجسمۂ حریت

ہون، مین جرمنی کا تنہا انشا پرداز ہون" اس اختلالِ دماغ کی حالت مین اس نے اپنے سابق پیشوا اور رفیق واگنر کے خلاف مئی اور جون کے مہینون مین ایک زہر آلود رسالہ لکھا جو موسمِ خزان مین شائع ہوا، اس رسالہ مین وہ لکھتا ہے :-

"واگنر علم موسیقی کا ماہر نہین ہے، وہ صرف نقال ہے، اسکی زندگی نقائص سے بھری ہوئی ہے، وہ کھڑکھڑانے والا سانپ ہے، وہ زوال وتباہی کا پتلہ ہے"

اس کے بعد نٹشے نے ایک کتاب "امید کی کرن"[1] کے نام سے لکھی، مصنف مین اب جلد بازی اور زود پسندی کا مادہ آگیا تھا، چنانچہ اس نے یہ کتاب چند روز کے اندر لکھی، اگرچہ یہ اس وقت چھپی جبکہ اسکی قوت جسمانی رخصت ہو چکی تھی، وہ لکھتا ہے :-

"تم حقائق ومعارف کو ٹھکراتے ہو بلکہ ان کا خون کرتے ہو، خیر یہ کتاب ہر شخص کے لیے دلبستگی کا ذریعہ ہے، یہ امید کی کرن ہے، یہ عالمِ نفسیات کے لیے دلچسپ مشغلہ ہے"

نٹشے تو اپنی تصنیفات کی تعریف وتحسین کرتا ہے، مگر اس کے مخالفین کا بیان ہے کہ یہی خودستائیان اور خودنمائیان اس کے خللِ دماغ کا ثبوت دیتی ہین، بہرکیف ہمارا نامور فلسفی اب اچھا خاصہ ہجوگو بنگیا، وہ اب ہر ایک پر ہاتھ صاف کرتا ہے اور انگریزون کی خصوصیت کیساتھ دھجیان اڑاتا ہے چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے :-

"انگریز مکروحیلہ مین استاد ہین، کارلائل سے بلاارادہ بھی جعل وفریب سرزد ہوجاتا تھا اور وہ ناشایستہ حرکات کو بھی بہادرانہ اور شریفانہ طرزِ عمل سمجھتا تھا، انگلستان مین جب کوئی مذہب سے آزادی اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے تئین فخریہ اخلاق کا پرجوش اور سرگرم علمبردار بتانے لگتا ہے۔
نٹشے نے اپنی مجوزہ تصنیف کی تیاری مین ایک دفعہ اور کوشش کی اور یہ اس کی آخری

---

[1] "The Twilight of the Idols"

کوشش تھی، چنانچہ اس نے ایک ماہ کے اندر اپنے فلسفہ کا ایک حصہ "تردید مسیحیت" کے نام سے شائع کیا، طرز بیان مین یہ کتاب سابق دو کتابون سے بدرجہا بہتر ہے مصنف کے خیالات کا ملخص درج ذیل ہے:-

"مسیحیت کو بھی اور مذاہب کی طرح کذب بیانی اور دروغگوئی کی ضرورت ہے لیکن جو شے مسیحی مذہب کو دنیا کا بدترین اور مہلک ترین مذہب قرار دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ اوسکی دروغگوئیان حیات انسانی کے لیے مضر اور خطرناک ہین، مسیحیت بہت بڑی لعنت، بہت بڑی گمراہی اور بہت بڑا انتقام ہے"

نٹشے ستمبر مین ٹورن گیا، دس سال کے عرصہ مین اوسکی صرف ایک تصنیف (واگنر کی حیثیت) کا ذکر اخبارات مین آیا، چند اخبارات نے یہ ریمارک کیا کہ واگنر کا سرگرم حامی اب انقلاب کا پیکر مجسم بنگیا، یہان اس نے ۱۸۸۸ء کے آخری چند مہینے خوشی اور بے فکری مین گذارے، اوسی مین جارج برنڈیز کے ذریعہ سے اس کو ایک اور قدردان ملگیا جسکا نام اسے اسٹرنڈبرگ تھا، نٹشے کو عمر بھر مین کل تین قدردان ملے، پیرس مین ٹین، سویڈن مین اسٹرنڈبرگ اور ڈنمارک مین جارج برنڈیز یہ قدردانی بھی بعد از وقت ہوئی، نٹشے کو بھی اس کا احساس تھا، اس کے متعدد خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کے دل و دماغ مین آنیوالے واقعات چکر لگا رہے تھے،

نٹشے نے ایک اور کتاب لکھی اور یہ اُس کی آخری تصنیف تھی، یہ اسکی خود نوشتہ سوانحعمری تھی جو چند ہفتون کے اندر لکھی گئی، کتاب دلچسپ ہے مگر حسرت انگیز، یہ انتہائی خودستائیون اور خودنمائیون کا مرقع ہے، طرز بیان بالکل اچھوتا اور نرالا ہے، عنوانات حسب ذیل ہین،

(۱) مین ایسا عقلمند کیون ہون؟

لے "The Antichrist"

سے "Ecce Homo"

(۲) مین ایسا چالاک کیون ہون؟

(۳) مین ایسی نفیس کتابین کیونکر لکھتا ہون؟

(۴) مین برگشتۂ تقدیر کیون ہون؟

مصنف نے اس کتاب مین دعوی کیا ہو کہ ہینی[1] اور مین جرمن زبان کے دو سب سے بڑے ماھر ہین، مینے بیشمار کارہائے نمایان کئے ہین، اور وہ کام جنکو آج کوئی نہین کرسکتا، میری کتاب کا مطالعہ خلائق کے لیے باعث اعزاز ہے، مجھ سے پہلے نفسیات کا وجود بھی نہ تھا؛

وفات | جنوری ۱۸۸۹ء مین نٹشے بالکل مختل الحواس ہو گیا، چلّا کر باتین کرتا اور ذراسی چیز کیلئے اشرفیان لٹاتا، کبھی خیال کرتا کہ "مین مشہور قاتل ہون" کبھی سمجھتا کہ مین اٹلی کا بادشاہ ہون، کبھی کہتا کہ "مین خدا ہون" وہ ادھر اودھر گشت لگاتا اور لوگون سے کہتا پھرتا کہ "ہم لوگون کو خوش وخرم رہنا چاہیئے، مین خدا ہون، اور مین ہی نے یہ گورکھدھندا (دنیا) پیدا کیا ہے" اس کا قدیم دوست پروفیسر اوربک ٹورن سے اس کو لے آیا اور بیل کے ایک خانگی مدرسہ مین رہنے کی جگہ دی، اسکے بعد نٹشے کی مان آئی اور جینا مین اُسے ایک ڈاکٹر کے زیر علاج رکھا، اور پھر ۱۸۹۰ء مین اپنے گھر (نامبرگ) لے گئی،

نٹشے کے خلل دماغ کے اسباب کیا تھے؟ ہمین نہین معلوم، ہان اگر اس کے معالجین کسی وقت مفصل حالات شائع کرین یا کسی اور ذریعہ سے اس مسئلہ پر روشنی پڑے تو ہمین اصلی حالت معلوم ہوسکتی ہے، ممکن ہو کہ اس کا جنون خاندانی ترکہ ہو تاہم یہ یقینی ہے کہ کثرت کار، پریشانی

---

[1] ہنریک ہینی (۱۷۹۹ء، ۱۸۵۶ء) جرمنی کا ایک تسلیم شدہ شاعر اور انشاپرداز تھا، وہ یہودی خاندان سے تھا، آخر عمر مین وہ پیرس مین بس گیا تھا اور وہین مرا، متعدد رسالے اور قصیدے لکھے، اسکی شاعری مین ظرافت کا عنصر غالب تھا بعض اوقات اسکی ظرافت تمسخر اور نقالی کی حد تک پہنچ جاتی تھی،

وناکامی، خلوت وتنہائی، فوجی زندگی کا حادثہ ضعفِ چشم، امراض جسمانی وغیرہ وغیرہ اسباب جنون مین شامل تھے،

دس برس تک نٹشے اور زندہ رہا، اس عرصہ مین کبھی صحت کی امید ہوتی تھی اور کبھی مایوسی آخر کار نٹشے جس نے اپنی جان اور جان کا آرام بنی نوع انسان کو "نصب العین" بتانے مین قربان کر دیا، اسکی زندگی حسرت سے ختم ہوئی، ۲۵ راگست ۱۹۰۰ء کو اس نے پھیپھڑے کی بیماری مین ویمار مین (جہان وہ اپنی مان کی وفات کے بعد سے اپنی بہن کے ساتھ سکونت پذیر تھا) انتقال کیا، ذیل کی سطرین نٹشے کی، لوحِ قبر پر کندہ ہین، اور حقیقتِ امر یہ ہے کہ "فوق البشر" کے بانی کے لیے شایانِ شان ہین:-

"وہ بہادر تھا مگر رقیق القلب، وہ فاتح تھا مگر اسکی بھوین تفکرات کی وجہ سے سیاہ، وہ تقدیر کا مارا بدنصیب تھا، وہ ثابت قدم تھا، وہ ماضی واستقبال دونون پر راز نی کرتا تھا"

باب دوم

"ماورائے خیر وشر"

اصول | واگنر سے علیحدگی کے بعد نٹشے کا نصب العین "قول" نہین تھا بلکہ "عمل" سانیات کو چھوڑ کر وہ مادی علوم خصوصاً عضویات کی طرف متوجہ ہوا، جس نے مرتے دم تک ایک جان نثار رفیق کی طرح اس کا ساتھ دیا، یہ بدنصیبی تھی کہ وہ مادی علوم مین ید طولےٰ نہین رکھتا تھا جس کا خود اسے اعتراف تھا، اس نے متعدد بار ان علوم کی تحصیل کی غرض سے پیرس، وائنا اور میونچ جانے کا قصد ظاہر کیا، مگر اس قصد نے کبھی عملی صورت اختیار نہین کی، باینہمہ اسکی حیرت انگیز قابلیت نے

جس مین یونانی تمدّن اور شاعرانہ بلند پروازی دونون کا عنصر غالب تھا مادی علوم کی ترقی مین بیش بہا خدمات انجام دین، علم حیات اور علم تمدن ایک روز نٹشے کا شکریہ ادا کرین گے جس نے ان کے خلاف تمام بدگمانیون کا قلع قمع کر دیا اور آنے والے محققین کے لیے راستہ صاف کر دیا۔

لمارک[1] کی طرح نٹشے کا بھی دعوےٰ تھا کہ انسان کے خصائل وعادات مین "ماحول" کو بہت بڑا دخل ہے اور اکتسابی اوصاف بھی وراثت مین منتقل ہو سکتے ہین، اسپنسر کی طرح وہ بھی علم معاشرت اور علم اخلاق کی بنیاد علم حیات پر قائم کرتا ہے اور شد و مد کیساتھ اعلان کرتا ہے کہ کمزورون اور اپاہجون کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہین، اس نے شمڈ[2] اور ناجیلی سے جو علم حیات مین استاد وقت تھے "مسئلہ نقل" اخذ کیا اور علم اخلاق مین اس سے کام لیا یعنی جس طرح بعض حیوانات دشمنون سے محفوظ رہنے کے لیے ماحول کے مطابق کوئی خاص وضع اختیار کر لیتے ہین اسی طرح بعض افراد انسانی بھی دشمنون کے ڈر سے عوام الناس اور معاصرین کے خیالات اختیار کر لیتے ہین۔

ایمرسن[3] ہشینیڈر اور رولف کی تاثیر صحبت سے نٹشے کو "ماحول" پر زیادہ اعتماد

---

[1] Lamark (۱۷۴۴ء - ۱۸۲۹ء) فرانس کا ایک مشہور فلسفی تھا، اس کا فلسفہ درحقیقت "دہریت" کے مرادف تھا، پیرس مین اس نے طب اور علوم مادی کی تحصیل کی، ڈارون کے نظریۂ ارتقار کا خاکہ اوّل اوّل اسی نے تیار کیا تھا، اس کے مذہبی خیالات مین وحدانیت اور شرک دونون کی جھلک پائی جاتی ہے۔

[2] v. Schmidt (۱۷۸۱ء - ۱۸۴۳ء) پروشیا کا مشہور و معروف سپہ سالار تھا، پروشیا کی فوج کا نظم و نسق اسی کا رہین منت تھا، اسی کے کارنامون سے پروشیا یورپ کے دیگر ممالک کی ہمسری کرنے لگا تھا، [3] R. W. Emerson امریکہ کا مشہور شاعر اور انشاپرداز تھا، ۱۸۰۳ء مین پیدا ہوا، کچھ دنون پادری کی خدمت انجام دیتا رہا، استعفا دیکر یورپ کی سیر و سیاحت کی

نہین رہا، اور اب اسکی جگہ "عزم للقوۃ" کو حیات انسانی کا جزو اعظم سمجھنے لگا، اس نظریہ سے اس کا منشا یہ تھا کہ قدرت نے طبائع انسانی مین بڑھنے اور ترقی کرنے کی خواہش ازل سے رکھدی ہے اور اسی لیے طبائع کے اختلاف کی بنا پر اس نے غلام و آقا کی تفریق کی ہے،

رولف کے فیض صحبت سے نٹشے نے یہ بھی تسلیم کیا کہ افراط و خوشحالی ترقی کی پہلی منزل ہے، اُسے اب "تنازع للبقا" کی ضرورت نہین ہے بلکہ "تنازع للقوۃ" کی ضرورت ہے، اگرچہ وہ "تنازع" کی نوعیت مین ڈارون[۱] اور مالتھوس[۲] کے خلاف ہے تاہم نفس "تنازع" مین وہ ڈارون کا ہمخیال ہے، آخر عمر مین جب اسکی قوت فیصلہ پر زوال کی گھٹا چھا گئی، اس نے جہان لمارک

(بقیہ صفحہ ماقبل) واپسی پر عرصہ تک مختلف علمی مضامین پر لکھ دیتا رہا، اس کے خطبات کا مجموعہ انگلستان مین چھپ گیا ہے، امریکہ کے شاعرون مین وہ ممتاز طریقہ سے نمایان تھا،

۴ C. Schneider ڈر (سنہ ۱۷۵۰ء تا سنہ ۱۸۲۳ء) جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا، قدیم زبانون مین دسترس تھی، اُسنے یونانی اور لاطینی انشا پردازون کے سائنٹیفک مضامین کا اقتباس شائع کیا، اس نے یونان کے فلسفیون اور خاصکر ارسطو کی تصنیفات کا ترجمہ کیا،

۱ C. R. Darwin (سنہ ۱۸۰۹ء تا سنہ ۱۸۸۲ء) انگلستان کا مشہور و معروف دہری اور فلسفی تھا، تاریخ قدرت اس کا خاص مضمون تھا، سنہ ۱۸۵۹ء مین اس نے "انتخاب طبعیہ کی رو سے مختلف انواع کی اصلیت" کے نام سے ایک کتاب لکھی جسنے علم حیات مین ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا، لمارک کے نظریہ "ارتقا" کی اُسنے توضیح و تشریح کی، اسکی اکثر تصنیفات یا تالیفات اسی قسم کے مواد کی تشریح کا نتیجہ ہین،

۲ T. R. Malthus (سنہ ۱۷۶۶ء تا سنہ ۱۸۳۴ء) انگلستان کا ایک مشہور ماہر اقتصادیات تھا، اس نے انسانی آبادی کے اضافہ و ترقی پر متعدد رسالے لکھے، اس کا خیال تھا کہ اگر تمام موانع ترقی کا انسداد ہو جائے تو انسانی آبادی کی ترقی اس قدر ہو جائیگی کہ سامان خورد و نوش کا مہیا ہونا مشکل ہو جائیگا، اور سب سے بڑی رکاوٹین اس راہ مین بدکاری "جہالت اور اخلاقی گرفت" ہے، اسکی ہدایت تھی کہ ہر قانون ساز کو ان کے استیصال کی کوشش کرنی چاہیئے،

بلکہ ہرکس وناکس پر حملہ کیا وہاں ڈاروِن پر بھی ہاتھ صاف کیا، نٹشے لڑائی جھگڑے کو زندگی و معاشرت کے لیے لازمی چیز قرار دیتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہمارے جسم کے مختلف اعضا، ہمارے مختلف خیالات وجذبات، ایک نوع کے مختلف افراد اور مختلف انواع کے مختلف افراد تفوق حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہتے ہین،

خیروشر نٹشے نے "خیروشر" ہردو کی دو قسمین کی ہین جنکی تفصیل آگے آئے گی، سردست یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کے نزدیک وہ تمام چیزین اچھی اور وہ تمام افعال نیک ہین جو ہماری قوت کو مستحکم کرین اور "عزم للقوۃ" مین ہمارا ہاتھ بٹائین، اسی طرح وہ تمام چیزین بُری اور وہ تمام افعال بد ہین جو کمزوری، حسد اور انتقام سے پیدا ہون، اشیا کی قدر وقیمت کا معیار اخلاقی حیثیت سے یہ ہے کہ آیا وہ حیات انسانی کو آگے بڑھاتی ہین یا پیچھے ہٹاتی ہین، وہ تمام نیکیان جسمانی مفاد کے نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہتا ہے، اس نے اس خیال پر اتنا زور دیا ہے کہ اپنی خود نوشتہ سوانحِ عمری مین نفیس کھانا پکانے کے مسئلہ پر بھی کافی بحث کی ہے،

علمِ اخلاق کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ قومین اور جماعتین بدکاری اور عیاشی کی وجہ سے ہلاک ہو جاتی ہین، لیکن نٹشے کی تعلیم یہ ہے کہ جب کوئی قوم جسمانی حیثیت سے کمزور اور تباہ حال ہو جاتی ہے تو بدکاری وعیاشی مین اس کا مبتلا ہونا ایک ناگزیر امر ہے،

دنیا نہ اچھی ہے نہ بری نٹشے کی رائے ہے کہ دنیا اور ہستی کو جمالی شئے سمجھنا چاہیئے، دنیا نہ اچھی ہے نہ بری، خیروشر یا حسن وقبح کا مفہوم صرف انسان تک محدود ہے (یعنی جب یہ اوصاف انسان کے لیے مستعمل ہوتے ہین تو ان کے معنی ہوتے ہین ورنہ نہین) دنیا مین صرف ایسے عزائم وافعال پائے جاتے ہین جو بذات خود نہ اچھے ہین نہ برے، اشیائے عالم کی قدر وقیمت کے متعلق نٹشے کا اصل اصول یہ ہے:-

"دنیا مین خیر و شر یا حسن و قبح کے اوصاف بذات خود موجود نہین ہین، یہ اوصاف درحقیقت اشیار کی مختلف تعبیرین ہین جنکی علت بتانی علم اخلاق کے موضوع سے باہر ہے"

نٹشے اس سلسلہ مین لکھتا ہے:-

"عہد حاضر کے ماہرین علم اخلاق مع ڈارون کے اپنے نظریہ "تنازع للبقاء" اور "بقاء اصلح" سے قوانین اخلاق کا کوئی مجموعہ تیار نہین کر سکتے، جب عملی زندگی کا مسئلہ پیش ہوتا ہے تو کینٹ[1] کی طرح سب کے سب بغلین جھانکتے ہین، اور اپنے مسلک کے خلاف کچھ قوانین بنا دیتے ہین، یہ لوگ درحقیقت بزدل ہین"

اضافیت | نٹشے خیر و شر کو اضافی اور نسبتی چیز سمجھتا ہے، اس کا خیال ہے کہ ہر قوم کی اخلاقیت اس کے جغرافیائی اور تاریخی حالات پر موقوف ہے، زمانہ کے ساتھ ساتھ احساسات اور تصورات بھی بدل جاتے ہین، چنانچہ قدمار مہربان اور فیاض دیوی ایرس کے اوصاف حمیدہ مین "حسد" کو بھی محسوب کرتے تھے"، "امید" کے متعلق یونانیون کے خیالات ہم لوگون سے بالکل جداگانہ تھے، وہ "امید" کو نابینا اور مغالطہ آمیز سمجھتے تھے، یہودی "غصہ" کو مقدس سمجھتے تھے، اسی طرح بہت سی چیزین ایسی ہین جنکو ایک جماعت بچشم استحسان دیکھتی ہے اور دوسری جماعت بہ نظر حقارت

---

[1] Immanuel Kant (۱۷۲۴ء تا ۱۸۰۴ء) انتقادی فلسفہ کا بانی تھا، اسکا اسکاٹلینڈ کے خاندان سے تھا، مگر جرمنی مین اسکے آبا و اجداد بس گئے تھے، فلسفہ مین ہاتھ لگانے سے قبل اسنے "نفس علم" پر نظر غائر ڈالی یعنی علم کی ماہیت کیا ہے؟ علم کی آخری سرحد کیا ہے؟ علم کے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟ اسکے بعد اسنے دعویٰ کیا کہ علم کی دو قسمین ہین ایک وہبی اور دوسری کسبی، علت و معلول کی گنجائش صرف مؤخر الذکر علم مین ہے، اس کا خیال تھا کہ دنیا کی ہر شئی مین "زمان" اور "مکان" جاری و ساری ہین اور تمام انسانی احساسات ان مین محصور ہین، حصول علم کے تین ذرائع ہین (۱) حواس (۲) سمجھ (۳) عقل، پہلا ذریعہ مجہول ہے، دوسرا معروف ہے، تیسرا بہترین ذریعہ ہے، اخلاقیات کے متعلق اس کا خیال تھا کہ "خیر و شر" کا احساس اخلاقیت کی جڑ سے

خود انسان نے امتیازِ خیر و شر کی بنیاد ڈالی، یہ امتیاز پہلے سے موجود نہ تھا، انسان نے صرف اپنی حفاظت کی خاطر حسن و قبح کی تفریق کی، اور یہ تفریق مستقل نہین رہ سکتی، کیونکہ ہر آن اس مین تغیر ہو سکتا ہے، بہت سی چیزین جو پہلے معیوب اور قبیح تھین آج اُن کو کارآمد بنا کر مستحسن کر لیا گیا ہے۔

نٹشے اخلاقی، مذہبی اور جمالی خیالات و حسیات کی ماہیت دریافت کرنا چاہتا تھا، اسکو کثیر تعداد مین محققین کی ضرورت تھی جو ایسے خیالات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرین، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"ہمین مواد جمع کرنے کی اشد ضرورت ہے، نیز اس امر کی ضرورت ہے کہ جذبات و احساسات جو کثرت سے پیدا ہوتے ہین، نشو و نما پاتے ہین اور پھر فنا ہو جاتے ہین، اُن کی چھان بین کیجائے اور ان کی صف بندی کر دیجائے، ہمین غالبًا اس امر کی بھی ضرورت ہوگی کہ بار بار پیدا ہونے والے جذبات و حسیات کے متعلق کوئی خاص رائے قائم کیجائے تاکہ معیارِ اخلاق کا مسئلہ حل کرنے مین سہولت ہو۔"

لیکن مشکل یہ تھی کہ نٹشے علمائے سائنس کی طرح صابر اور متحمل نہین تھا، نہ تو اس نے اس قسم کی تحقیقات مین انہماک پیدا کیا اور نہ اپنے ارادہ کی تکمیل کے لیے مواد جمع کیا، تعجب ہے کہ اس کا مواد بالکل ناکافی تھا، اس کا علم اس میدان مین محدود تھا، اس نے صرف علمِ حیات کا مطالعہ کیا تھا اور وہ بھی صرف ضرورت کے لائق، باایں ہمہ اس نے اخلاقیت کے بناؤ اور بگاڑ دونون مین ہاتھ لگا دیا، اس نے موجودہ معیارِ اخلاق پر حملہ کیا اور اسکی جگہ ایک بہتر معیارِ اخلاق پیش کرنے کی کوشش کی،

افادیت کی ابتدا اور اجتماعی اخلاقیت کی تاریخ نٹشے کا خیال ہے کہ عہد حاضر کا اخلاق درحقیقت ان روایات

بقیہ حاشیہ صفحۂ ماقبل) جو بغیر تجربہ کے حاصل ہے، اس کے فلسفہ کو "کینٹ کی تنقید" بھی کہتے ہین،

وہ واقعات سے عبارت ہے جو کسی قوم یا جماعت کو قائم و دائم رکھین یعنی با اخلاق ہونا روایاتِ قدیمہ کا اتباع کرنا ہے، اس اصول سے اخلاق کی غرض و غایت نفع کی اُمید اور نقصان کا خوف ہے، تکمیلِ اخلاق کے لئے شخصی مفاد کو نظر انداز کر دینا چاہیئے اور قوم و جماعت کی قدیمی روایات کو مقدس سمجھنا چاہیئے، روایاتِ سابقہ پر نکتہ چینی کرنا ہی اکثر اشخاص کی رائے مین خلافِ اخلاقیت ہے، اشیاء کی قدر و قیمت ضروریاتِ قوم یا مفادِ قوم پر منحصر ہے، تکمیلِ اخلاق کا منشا یہ ہے کہ ہر فردِ قوم جزوِ قوم بنجائے، چونکہ ایک جماعت انسانی کی ضروریاتِ زندگی دوسری جماعت کی ضروریاتِ زندگی سے مختلف ہوتی ہین، اسلیئے اشیاء کی قیمت مختلف ممالک مین مختلف ہوتی ہے، پس انفرادی افعال کا حسن و قبح اجتماعی نفع و ضرر پر موقوف ہے "جماعت کی مسرت افراد کی مسرت سے زیادہ قدیم ہے اور جبتک اجتماعی مفاد پیشِ نظر رہے انفرادی مفاد کا خیال بھی نہین کرنا چاہیئے خوف اخلاق کی جڑ ہے، کسی شخص کا جماعت سے الگ تھلگ رہنا اور معقول سبب پر بھی جماعت سے علیحدہ رائے رکھنا خطرہ سے خالی نہین، ہر وہ شی جو کسی شخص کو جماعت کی سطح سے آگے بڑھا دے اور ہر وہ چیز جو پڑوسیون کے قلوب مین خوف پیدا کر دے قبیح اور معیوب ہے، جو شخص جماعت مین رہ کر مساوات، برابری، اعتدال وغیرہ قائم رکھے وہ فخر و مباہات کا مستحق ہے"

"اجتماعی صداقت" پر نظر ڈالو، اس کا اقتضا یہ ہے کہ "تم اپنا ما فی الضمیر صاف اور واضح الفاظ مین ظاہر کر دو، اگر ایسا نہین کروگے تو تم خطرناک سمجھے جاؤگے، تمھین اپنے خیالات کو پردہ مین نہین رکھنا چاہیئے تمھین بدلنا نہین چاہیئے" پس صدق پر زور دینے کا منشا یہ ہے کہ انسان مین ثابت قدمی اور بیباکی پیدا ہو، کیونکہ حق پرست اور نیک طینت شخص ہمارے دلون مین مساوات اور بے باکی کے خوش آئند جذبات پیدا کرتا ہے،

انسان اپنے ہمسایہ کی بے غرضی اور بے نفسی کی تعریف کرتا ہے، مگر یہ کیون؟ صرف

اسی وجہ سے نہ ہو کہ اس بے غرضی سے اُسے بھی فائدہ پہنچتا ہے، اگر وہ شخص (تعریف کرنے والا) خود بھی بے لوث ہوتا اور نفع وضرر کی پرواہ نہ کرتا تو وہ تعریف وتحسین کا خیال تک نہین کرتا، کیونکہ اپنی بے لوثی کے ثبوت کے لیے اُسے ایسے ہمسایہ کی تعریف نہین کرنی چاہیئے،

زمانۂ تمیز کے قبل کسی فعل کا اچھا یا بُرا ہونا اس کے نتائج پر موقوف ہوتا تھا، اس کے بعد سے (یعنی دس ہزار برس سے) لوگ افعال کے نتائج پر نظر نہین ڈالتے بلکہ اونکی حقیقت وماہیت پر غور کرتے ہین، اور اسی پر ان کی نیکی وبدی کا دارومدار ہوتا ہے، بے شبہہ یہ فائدہ ہوا کہ اس طور پر اشیار کی اصلیت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کیگئی مگر نقصان یہ ہوا کہ توھمات اور تنگ خیالیان بھی زور پکڑ گئین، فعل کی "حقیقت" سے مراد فاعل کی نیت سمجھی گئی اور فعل کی اچھائی اور برائی فاعل کے ارادہ ونیت پر موقوف کردیگئی،

عہد حاضر مین فعل کا حسن وقبح ارادہ کے علاوہ اور کس چیز پر موقوف ہے؟ کیونکہ ارادہ ونیت سے صرف فعل کی ظاہری اور سطحی حالت پر روشنی پڑتی ہے، اور اسکی اندرونی حالت پوشیدہ رہتی ہے، پس اب تک اخلاق کا جو معیار رکھا گیا ہے وہ دراصل پیشینگوئی کے مرادف ہے، جسے علم نجوم اور علم کیمیا کی صف مین جگہ دیجاسکتی ہے، لیکن اس مغالطہ کا ازالہ اشد ضروری ہے،

اخلاق کے پہلے عموماً "جبر" ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات "جبر" ہی کا نام اخلاق ہے، کیونکہ لوگ تکلیف سے بچنے کے لیے مجبوراً با اخلاق بنجاتے ہین، رفتہ رفتہ یہ "جبر" "رسم" سے، "رسم" "اختیار" سے اور پھر "اختیار" "فطری میلان" سے بدل جاتا ہے جسے ہم "نیکی" سے تعبیر کرتے ہین، یہ فطری میلان ہر قدرتی شئے کی طرح خوشی ومسرت کے جذبات پیدا کرتا ہے،

چونکہ کوئی شخص اپنے فعل کا ذمہ دار نہین ہے (کیونکہ ارادہ اختیاری کا وجود ثابت نہین ہے) اسلیے گئے گذرے واقعہ پر پچھتانا بزد لی ہے، پچھتانے اور افسوس کرنے کا آخر حاصل کیا؟ جب ایک کام

ہوچکا تو کیا افسوس کرنے یا معاف کرنے سے وہ واپس ہوجائے گا؟ قدیم زمانہ مین لوگون کا طرزِ استدلال
یہ تھا کہ چونکہ ضمیر اس کام کو برا کہتا ہے اسلیے برا ہے" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کسی فعل کو ضمیر صرف اسوجہ
سے برا کہتا ہے کہ زمانہ اس کو ہمیشہ سے برا کہتا آیا ہے ضمیر کا کام نقل کرنا ہے اپنی طرف سے اختراع
کرنا نہین، خلائق نے اوّل اوّل جو کسی امر کو قبیح اور معیوب سمجھا وہ ضمیر کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اسکے
نتائج کی وجہ سے ضمیر کا کسی فعل کی تحسین کرنا ویسا ہی ہے جیسا ایک صنّاع کا اپنی صنعت پر مسرت کا
اظہار کرنا، ہم اتنے جاہل و نادان ہین کہ اپنے افعال کی قیمت کا اندازہ بھی نہین کر سکتے،

گنہگاری کوئی ایسی شے نہین جو نفس الامر مین موجود ہو، یہ درحقیقت ایک مخصوص کیفیت
یعنی خلش اور پریشانی کا نام ہے، بے شبہہ لوگ اپنے تئین مجرم اور گنہگار خیال کرتے ہین، لیکن صرف
ان کا خیال "گناہ" یا "جرم" کے وجود کی دیل نہین ہوسکتا جس طرح کوئی شخص صرف اپنے آپ کو
تندرست خیال کر لینے سے تندرست نہین بنجاتا،

جہان "نٹشے" "ضمیر" کی قوت پر حملہ کرتا ہے وہان بعض لوگون کی دماغی کمزوری پر افسوس
بھی کرتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"یہ لوگ اپنے معیارِ اخلاق سے خوب کام نکالتے ہین جسے چاہا اچھا کہا جسے چاہا برا کہا اور جب
کوئی اعتراض کرتا ہے کہ یہ معیار قابلِ اعتبار نہین ہے تو شرم کے مارے اُن کی آنکھین بھی نہین جھکتین
عوام اس پر ایمان لانے مین ذرا بھی نہین جھجکتے۔ ان کو حسن و قبح یا خیر و شر کی حقیقت سے کیا واسطہ
وہ نہ تو جانتے ہین اور نہ جاننے کی کوشش کرتے ہین، وہ صرف ہان مین ہان ملانا جانتے ہین ایسے
الجھاؤ مین جب کہ اشیائے عالم بہ یک وقت متحد اور مختلف دونون معلوم ہوتی ہین اور جب کہ "ہستی"
کی نوعیت تیقن کیساتھ نہین معلوم ہے تحقیق و تفتیش نہ کرنا اور بلا ردّ و کد کئے ہوئے تمام باتون کو
تسلیم کر لینا میری نظر مین نہایت شرمناک حرکت ہے"

ارادہ اختیاری | موجودہ غفلت شعاری اور لاپرواہی کو مدنظر رکھتے ہوئے نٹشے کا متذکرۂ بالا اعتراض موزون اور مناسبِ حال معلوم ہوتا ہے لیکن اسکی وقعت بالکل نہین رہتی جب ہم یہ خیال کرتے ہین کہ اس نے انسان کو اپنے فعل مین مجبور قرار دیا ہے، اس کے نزدیک کوئی شخص اپنے فعل کا ذمہ دار اور اپنی روش کا جواب دہ نہین، نٹشے "ارادۂ اختیاری" پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"جب طوفان آتا ہے اور ہم کو اذیت پہنچتی ہے تو ہم قدرت کی بداخلاقی اور ایذارسانی کی شکایت نہین کرتے، پھر کیا وجہ ہے کہ جب انسان ہمین تکلیف پہنچاتا ہے تو ہم اسے بداخلاقی کا مجرم قرار دیتے ہین؟ وجہ عموماً یہ بتائی جاتی ہے کہ مؤخرالذکر صورت مین "اختیار" کارفرما تھا اور اوّل الذکر صورت مین "جبر" عمل پیرا تھا، لیکن یہ امتیاز درحقیقت مغالطہ اور دھوکہ ہے، علاوہ ازین ہم اپنے ناکافی اور ناقص مشاہدہ کی بنا پر چند چیزون کے مجموعہ کو ایک مفرد چیز سمجھ لیتے ہین، نیز ہم ایک فعل اور دوسرے فعل کے درمیان حدفاصل قرار دے کر دونون کو علٰحدہ تصور کر لیتے ہین، حالانکہ ہمارے افعال کا مجموعہ واقعات کا کوئی غیر مربوط سلسلہ نہین ہے، بلکہ وہ بہتے ہوئے چشمہ کی طرح روان اور مسلسل ہے، افعال انسانی کا ماخذ تاریک ماضی (خاندان) اور پر اسرار حال (ماحول) مین مخفی ہے۔"

متذکرۂ بالا بیان سے "ارادۂ اختیاری" کا بطلان ظاہر ہے، کیونکہ "اختیار" اسی حالت مین ثابت ہو سکتا ہے، جب کہ یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ہر فعل علٰحدہ اور مستقل ہے، نٹشے کا خیال ہے کہ یہ زبان کا نقص ہے کہ ہم اشیاء کو ضرورت سے زیادہ سہل اور سادہ سمجھتے ہین، اور زبان ہی نے "ارادۂ اختیاری" کا صور بلند آہنگی سے پھونکا ہے،

انسان جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اپنے عضو کو حکم دیتا ہے جو اسکی تعمیل کرتا ہے، یا اس کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تعمیلِ حکم کرتا ہے، پس "ارادۂ اختیاری" سے وہ مسرت آمیز کیفیت

سمجھی جاتی ہے جو انسان پر اپنے اعضا سے کام لیتے وقت طاری ہوتی ہے، اس سلسلہ مین نٹشے لکھتا ہے :۔

"یہ بہت بڑی شیخی اور غرور کی بات ہے کہ انسان "ارادۂ اختیاری" کا خواہان ہوتا ہے اور اپنے تمام کامون کا بار اپنے سر لے لیتا ہے، اور "خدا" "دنیا" "خاندان" "اتفاق" اور "جماعت" کو ذمہ داری سے سبکدوش کر دیتا ہے، "ارادۂ اختیاری" کا دعویٰ مذہب کی ایک زبردست چال ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے افعال کے ذمہ دار اور پیشوایان مذہب کے قبضۂ اقتدار مین رہین، انسان کی زندگی، اسکی ساخت، اس کا ماحول، اسکی مخصوص صورت حالات وغیرہ، یہ سب چیزین اسکی بس کی نہین، اسلیے وہ ان کا ذمہ دار نہین، انسان کی قسمت تمام گذشتہ اور آیندہ اشیاے عالم کی قسمت سے الگ نہین کیجا سکتی"

رحم — نٹشے نے "ارادۂ اختیاری" سے بڑھکر "رحم" کی مٹی پلید کی ہے، ایک فلسفی اور ماہر علم حیات ہونے کی حیثیت سے اس نے "رحم" کو انسانی نشو ونما کے لیے سخت مہلک قرار دیا ہے، اس کے نزدیک "رحم" "تضییع جذبات ہے" اور اخلاق کے پردہ مین خوشامد اور چاپلوسی ہے" "رحم" صحت انسانی کیلئے سم قاتل ہے" "رحم" کسی اصول کا نہین بلکہ جوش طبیعت کا نتیجہ ہے، اس کے اثرات نہین شدید نقصان پہنچاتے ہین" "رحم" مرض متعدی ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :۔

"رحم ان حسیات وجذبات کی مخالفت کرتا ہے جو انسان کی رفعت خیالی کا باعث ہوتے ہین، رحم انسان کے حوصلون کو پست کرتا ہے، جب آدمی رحم کرتا ہے تو اس کا زور گھٹ جاتا ہے، رحم نشو ونما اور ترقی کے "قانون انتخاب" کو توڑ دیتا ہے، رحم اُن اشیاء کی پشت پناہی کرتا ہے جو موت کے لیے بالکل تیار بیٹھی ہین، رحم اُن لوگون کے لیے جھگڑا مول لیتا ہے جو محروم الارث اور مورد عتاب ہین، "رحم" موجودہ آفات و مصائب کو باقی رکھتا ہے، بلکہ ان مین اور اضافہ کرتا ہے،

رحم تباہی و بربادی کا زبردست وکیل ہے"۔

نٹشے کی رائے مین بزدلی اور کمزوری "رحم" کے اسباب ہین، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"زیادہ خیرات کرنے والے لوگ بزدل ہوتے ہین، جو لوگ اپنے اوپر قابو نہین رکھتے اور جو اخلاق کو خودداری اور بے نیازی کا مظہر نہین سمجھتے، وہ بے سمجھے بوجھے مہربانی، رحم اور فیاضی کی تعریف کرنے لگ جاتے ہین، حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہ اوصاف بیکار اور لاحاصل ہین"

مسیحیت کے متعلق جو "رحم کا مذہب" کہلاتا ہے، ہمارا فلسفی کہتا ہے:-

"مسیحیت کی وجہ سے یورپ مین سب سے بڑا تغیر اور نہایت عظیم الشان انقلاب یہ ہوا کہ آج جو شخص دوستانہ، ہمدردانہ، بے غرضانہ اور فیاضانہ کام کرتا ہے وہ بہت بڑا بااخلاق سمجھا جاتا ہے، حالانکہ خود مسیحیت اپنے عروج کے زمانہ مین خود غرضی کا مجسمہ تھی، کیونکہ پہلے حامیانِ مسیحیت نے دیکھے صرف اپنی نجات کا خیال کرتے تھے اور بس، بہر حال اب مسیحیت کا اثر رفتہ رفتہ کم ہوتا جاتا ہے، اور لوگ اس کے قبضۂ اقتدار سے نکلتے جاتے ہین اور یہ درحقیقت بنی آدم کی محبت کا نتیجہ ہے"۔

فرانسیسی انقلاب کے بعد سے انگلستان کے جان اسٹورٹ مل، جرمنی کے شوپنہار اور دیگر ممالک کے اشتراکیین نے ہمدردی، محبت، رحم اور خیر خواہی کو تمام کامون کا اصل الاصول قرار دیا ہے اور ان ہی اوصاف پر اخلاق کی بنیاد رکھی ہے، نٹشے جو علمِ حیات کا پرجوش حامی تھا، ان الفاظ مین رحم و مروت کی دھجیان اڑاتا ہے:-

"کمزور اور خستہ لوگون کو مرہی جانا بہتر ہے، ایسے لوگون کا مرنا ہماری انسانیت کی شرط اولین ہے، ایسون کیساتھ رحم و مروت ہرگز نہین کرنا چاہیئے، بلکہ اگر موقع ملے تو ان کے مرنے مین ہمین مدد کرنی چاہیئے، کمزوری سے بڑھکر کوئی شئ موجبِ ضرر نہین، مسیحیت بس کمزورون اور خستہ حالون کی عملی ہمدردی کا نام ہے"۔

نٹشے کہتا ہے کہ سب سے بڑھکر رونا اس بات کا ہے کہ ہر شخص اپنے دل مین یہی سمجھتا ہے کہ مین نے اخلاق کا جو مفہوم لیا ہے یا اس کا جو معیار مقرر کیا ہے وہی صحیح ہے، اور سب لوگ غلطی پر ہین،

عزم للقوۃ | اب تک نٹشے کے فلسفۂ اخلاق کا "تخریبی حصّہ" بیان کیا گیا، اب اس کے "تعمیری حصّہ" کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کے فلسفۂ اخلاق کے اصولِ اساسی صرف دو ہین (۱) عزم للقوۃ (۲) عوام و خواص کے اخلاق کی تفریق، اس کے نزدیک حیات انسانی کی غرض و غایت "تنازع للبقا" نہین ہے، جسے وہ لغو اور پست خیال سمجھتا ہے، بلکہ "عزم للقوۃ" یا "تنازع للقوۃ" ہے، دوسرے اصول کے متعلق یہ خیال ہمیشہ مدِنظر رہنا چاہیے کہ نٹشے کا فلسفۂ اخلاق عوام کے لیے نہین ہے بلکہ اعلیٰ دماغ اور بلند خیال اشخاص کے لیے، کم از کم اس کے متبعین اور معتقدین ایسا ہی کہتے ہین، نٹشے نے موجودہ اخلاقیت پر جو اعتراضات کئے ہین وہ صرف خواص کی خاطر، ورنہ عوام النّاس کے لیے وہ مروّجہ قوانینِ اخلاق کو کافی و وافی سمجھتا ہے، اس کا خیال ہو کہ عوام کو ایسے مسلک سے علیحدہ نہین کرنا چاہیئے جس پر ان کی زندگی اور زندگی کی خوشیون کا انحصار ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ طبقۂ خواص کے علاوہ اور کسی کا اس کے فلسفۂ اخلاق کو اختیار کرنا خطرہ سے خالی نہین،

پہلے اصول یعنی "عزم للقوۃ" پر بحث کرتے ہوئے نٹشے لکھتا ہو:-

"جہان کہین مین نے جاندار چیز دیکھی، عزم للقوۃ کا جذبہ موجود پایا، نوکر کے دل مین بھی مالک بننے کا ارادہ ہوتا ہے، ضرورت یا خواہش نہین بلکہ "قوت کی محبت" حیات انسانی کی روح و روان ہے، تم ایک شخص کو ہر قسم کی نعمتین مہیا کر دو، اس کے خورد و نوش، بود و باش، عافیت و آسایش کا پورا سامان کر دو، مگر پھر بھی اس کا حریص دل سیر نہین ہوگا، اُسے "قوت" اور صرف "قوت" کی دھن ہو جس کے بغیر وہ نچلا نہین بیٹھ سکتا، قوت حاصل کرنے کا جذبہ ایک زلزلہ ہے جو تمام بوسیدہ اور خستہ چیزون کا قلع قمع کر دیتا ہے اور پرانی یادگارون کو علانیہ منہدم کر دیتا ہے،

اگر یہ جذبہ انسان مین نہ ہو تو وہ خنزیر اور سانپ سے بدتر ہے اور حقارت و ذلت کا پتلا ہے ،

"حق" عزم للقوۃ مین مضمر ہے" ،

نٹشے کے مندرجۂ بالا بیان (نیز دیگر بیانات) سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اخلاقیت کی بنیاد نتائج پر قائم کرتا ہے، اور اسی لیے وہ اسپنسر پر حملہ کرتا ہے جس کے نزدیک "معیارِ حق" یہ تھا کہ کسی دعوے کی نقیض کا بطلان اسکی صحت کی دلیل ہے" مسئلۂ زیر بحث مین نٹشے پیرسی[1] کا ہمخیال ہے جس کا مسلک یہ ہے کہ "اصول و قوانین صرف ذرائع ہین اور انکی قیمت کا اندازہ صرف ان کے نتائج پر لگانا چاہیئے، یعنی وہ اصول و قوانین جو ہمین راہِ راست پر لیجائین، جو ہمین حقائق و معارف تک پہنچائین اور جو ہماری زندگی اور علم پر مفید اثر ڈالین عملی طور سے برحق ہین (یعنی ضروریاتِ انسانی کے مطابق ہین) "حق" ایک ایسی شئے ہے جو ہمارے خیالات کو ترقی دیتی ہے، جو ہمارے تجربات کو بڑھاتی ہے، جو عملی حیثیت سے کارآمد ہوتی ہے، جو ہماری بہترین رہنمائی کرتی ہے اور جو ہماری ضروریاتِ زندگی کے حسبِ حال ہوتی ہے، پس کسی امر کے متعلق معقول رائے قائم کرنا ان تمام نتائج کے مجموعہ پر موقوف ہے جو مختلف صورتون اور مختلف حالتون مین پیدا ہوتے ہین" اور اگر غور سے دیکھا جائے تو ہر شخص کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی جو صلاحیت عطا کیگئی ہے اور اس صلاحیت سے اُسے جو فطرۃً مسرت و خوشی ہوتی ہے وہی درحقیقت "عزم للقوۃ" کے وجود کی زبردست دلیل ہے ،

نٹشے کا خیال ہے کہ ہماری قوتین اور ضروریات خود دنیا و مافیہا کی تشریح کردیتی ہین،

---

[1] FRANKLIN PIERCE (۱۸۰۴ء تا ۱۸۶۹ء) امریکہ کا چودھوان پریسیڈنٹ تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ اشیا کی قیمت نتائج سے قطع نظر ہو کر متعین نہین کیجاسکتی، وہ افعال کی نیکی و بدی کو ان کے نتائج پر موقوف رکھتا تھا،

طبائع انسانی کی ہر استعداد بجائے خود "عزم للقوۃ" کا مظہر ہے، یعنی اس کے ذمہ جو کام سپرد ہے وہ دوسری استعداد سے پورا کرانا چاہتی ہے، یہی حال ہمارے اعضائے جسمانی کا ہے، ہماری رگون اور نسون مین غلبہ حاصل کرنے کے لیے ہمیشہ ایک دوسرے سے ٹکرار رہتی ہے، اس ضمن مین وہ لکھتا ہے :-

"انسان دراصل نہ تو خوشی کی جستجو کرتا ہے نہ غم سے احتراز، خوشی وغم کوئی ایسی شئے نہین ہے جو پہلے سے موجود ہو، خوشی وغم کے جذبات درحقیقت صرف نتائج اور بعد کو طاری ہونے والی کیفیات ہین، انسان بلکہ ہر جاندار شئے ترقی کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس کوشش مین اُسے حظ و کرب اور خوشی وغم دونون سے واسطہ پڑتا ہے، کام کرنے مین جو رکاوٹ ہوتی ہے اسی کو کرب و مصیبت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ رکاوٹ ہر کام کے لئے لازمی ہے، پس انسان غم و مصیبت سے گریز نہین کرتا بلکہ اور اسکی تلاش کرتا ہے، ہر کامیابی اور ہر خوشی بلکہ ہر فعل انسانی کیلئے "مشکلات کا ازالہ" لازمی اور لابدی ہے"

عوام و خواص کی اخلاقیت

نٹشے کا دعویٰ ہے کہ اب تک جتنے "فلسفۂ اخلاق" دنیا مین مروج تھے ان کی چھان بین کرنے کے بعد ہمین دو قسم کی اخلاقیت کا ثبوت ملتا ہے، جنمین بنیادی فرق پایا جاتا ہے، ایک خواص (مالکون) کی اخلاقیت اور دوسری عوام (غلامون) کی اخلاقیت، اعلیٰ اور متوسط طبقون مین ان دونون اخلاقیتون مین وقتاً فوقتاً صلح و آشتی پیدا کرنے کی بھی کوشش کیگئی ہے

نٹشے نے مندرجۂ بالا تفریق کی بنا پر "خیر و شر" کی تمیز کے لیے ایک نیا اصول تیار کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً جب اخلاق کا لفظ مستعمل ہو تو اس کے اور معنی ہوتے ہین اور جب قوم یا جماعت کے روایات سابقہ کے لگاؤ مین مستعمل ہو تو اور معنی ہوتے ہین۔ مثلاً "ذمہ داری" "سودمندی" "نفع رسانی" پر اجتماعی اخلاقیت کا دار و مدار ہے، مگر عام معنی مین ان کو نظر انداز

کر دیا جاتا ہے اور اُن کی جگہ "عزم للقوۃ" لیتا ہے،

نٹشے "تقسیم اخلاقیت" پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"خیر و شر" اور حسن و قبیح کا امتیاز اوّل اوّل یا تو حکمرانون کی جماعت سے شروع ہوا جو اپنے آپ کو محکوم قومون سے ممتاز رکھنا چاہتی تھی یا خود محکومون اور غلامون کی جماعت سے شروع ہوا (جو اپنے آپ کو حکمران جماعت کے تشدد سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی) "خیر و شر" اوّل الذکر طبقہ کے لیے "شرافت و رذالت" اور آخر الذکر طبقہ کے لئے "نفع و ضرر" کے مرادف ہے، عامۃ الناس کی اخلاقیت "افادیت" کے ہم معنی ہے، ان کے ہر کام مین نفع و فائدہ مدِ نظر رہتا ہے اور یہ خیال اس قدر زبردست رہتا ہے کہ خود کام کرنے والے قویٰ اتنے زبردست نہین ہوتے، عوام کے اخلاق کا معیار نفع کی امید اور ضرر کا خوف ہے"

نٹشے کی رائے ہے کہ عوام "خیر" کے جو معنی لیتے ہین وہ ایک عقدہ ہے جس کا حل کرنا ضروری ہے، مثلاً بکری کا درندون سے پرخاش رکھنا کوئی تعجب خیز امر نہین مگر درندون کو مجرم اور ملزم ٹھہرانے کی بھی کوئی وجہ نہین، اگر بکریان آپس مین کہین کہ یہ درندے بہت "برے" ہین اور جو جانوران سے الگ تھلگ رہین یا جو ان کے ہم جنس نہین ہین وہ بہت "اچھے" ہین، تو اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہین ہو سکتا، با اینہمہ درندے اس گفتگو کا مضحکہ اڑائینگے اور شاید آپس مین کہین کہ ہمین ان غریب بکریون سے کوئی عداوت نہین ہے بلکہ ہم تو ان کو محبت کرتے ہین، ہمین ان سے بڑھ کر کوئی غذا پر ذائقہ اور مزہ دار نہین معلوم ہوتی،

نٹشے نے مذکورۂ بالا عقدہ کے حل کی ایک صورت پیش کی ہے جسے جمہوریت پسند لوگ ہرگز پسند نہین کرینگے، اس موقع پر یہ مدِ نظر رہے کہ اسکی زندگی رئیسون اور پروفیسرون مین گذری اُسے افلاس و مصیبت سے واسطہ نہ پڑا تھا، وہ درد آشنا نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ کبھی تو وہ مشکل

سے مشکل اقتصادی مسائل کو نہایت قابلیت وخوش اسلوبی کیساتھ حل کرتا تھا اور کبھی ایسی باتین
کہجاتا تھا کہ خواہ مخواہ لوگون کو ہنسی آتی تھی، وہ تحریک "جمہوریت" کو نہ صرف نظام سیاست کی
بدترین صورت بتاتا ہے بلکہ خود جمہوریت خواہون کو ذلیل، کم ظرف اور پست ہمت سمجھتا ہے،
اور وہ حل یہ ہے کہ "تمام آدمی برابر نہین ہین" نظام عالم کے برقرار رہنے کے لیے یہ ناگزیر ہے
کہ دو طبقے کے لوگ ہون، ایک خواص (مالکون) کی جماعت اور دوسرا عوام (غلامون) کی
جماعت، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"اعلیٰ تہذیب وتمدّن کا آغاز اسی وقت ممکن ہے جب کہ دو طبقے کے لوگ ہون، کچھ کام
کرنے والے اور کچھ آرام لینے والے، بہ الفاظِ دیگر بعض جبریہ کام کرنے والے اور بعض اختیاری
کام کرنے والے، تہذیب وتمدن کے لیے غلامی ضروری چیز ہے"

نٹشے کے فلسفۂ اخلاق کا وہ حصّہ جو اعلیٰ طبقہ کے لوگون کے لیے مخصوص ہے بالکل عجیب و
غریب ہے، بلکہ عوام کے متعلق بھی اس کے خیالات اورون سے جداگانہ ہین، اس کی رائے مین بہت سے
مروجہ عقائد عوام کے لیے موزون نہین ہین، بہرحال اس مین شبہہ نہین کہ اس کے پیش کردہ اصول
عہد حاضر کی "نمائشِ بیجا" اور "مساواتِ بے معنی" کے لیے تریاق کا کام دینگے، خواص کی جماعت
کے لیے اس کا فلسفۂ اخلاق بہت کچھ تعمیری ہے جس کا ثبوت ذیل کی سطرون سے ملیگا:-

"ہر شخص کو اپنی ذات سے بیحد محبت کرنی چاہیئے تاکہ تنہائی مین وہ اپنے نفسِ نفیس پر
اکتفا کرسکے اور ادھر ادھر مارا مارا نہ پھرے، میرے بھائیو! اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ "شرفا"
کی ایک نئی جماعت تیار کیجائے جو عوام وخواص کے موجودہ طرزِ عمل کا قلع قمع کردے اور
اور جو "شریف" کا لفظ کسی نئے معنی مین استعمال کرے، اب سوال یہ ہے کہ "شریف" کے
کیا معنی ہین؟ جواب یہ ہے کہ "حاکم اور محکوم دونون کی صلاحیت رکھنا" حقیقی تمدّن کے لیے

اطاعت و فرمانبرداری لازمی چیز ہے "

نٹشے شورش پھیلانے والون سے نفرت کرتا ہے کیونکہ وہ ایسے تمدن کا استیصال کرنا چاہتے ہین، وہ خواص کے لیے قدیمی روایات اور تاریخی واقعات کا احترام ضروری سمجھتا ہے نفع کا خیال، احسان کا شکریہ، بدسلوکی کا انتقام صرف لین دین کی نمائشی چیزین ہین شرافت کی اصلی علامتین یہ ہین :-

۱- اپنے فرائض کو عوام کے فرائض کے برابر نہ کرنا،

۲- اپنی ذمہ داریون سے سبکدوش ہونے یا ان مین کمی کرنے پر راضی نہ ہونا،

۳- اپنے اختیارات خصوصی کا برقرار رکھنا اور ان سے کام لینا،

نٹشے "تقسیم اخلاقیت" کو اشتقاقِ لفظ سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک عالم لسانیات کے لیے یہ زیبا بھی ہے، اسکی کتاب " اخلاقیت کی ابتدا " کا پہلا حصہ جسکا نام " خیر وشر اور نیک و بد" ہے تمامتر اسی موضوع پر بحث کرتا ہے جس کسی کو اس مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے، نٹشے دورانِ بحث مین اس بات پر زور دیتا ہے کہ فلسفہ کو اس سوال پر محققانہ نظر ڈالنی چاہیئے کہ قوانینِ اخلاق کی تدریجی ترقیون کے متعلق ہمین علم الالسنہ کیا بتاتا ہے خاصکر اشتقاقِ لفظ کے نقطۂ نظر سے "

نٹشے کا خیال ہے کہ یہ بدیہی ہے کہ ہر جگہ خیر وشر کا لفظ پہلے انسان کے حق مین مستعمل ہوا اور پھر کچھ دنون بعد اس کا اطلاق افعالِ انسانی پر ہونے لگا، دنیا کی مختلف زبانون کے موازنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر کے مفہوم مین " امارت و شرافت" بھی داخل ہے، غالباً تھیوگنس[۵] نے

---

[۵] (۵۴۰-۵۰۰ ق م) یونان کا ایک مشہور شاعر اور معلم اخلاق تھا، عہد سکندری کے قبل یونانی شعرا کا جو کلام یکجا جمع کیا گیا ہے اس کا بیشتر حصہ اسی کا رہینِ منت ہے، چھٹی صدی (ق م) مین یونان کے

اوّل اس کے دل میں یہ خیال ڈالا، یونانی مین "ایاوس" (یعنی نیک) کے معنی بہادر، ہنرمند اور لائق کے ہین، اور "گکوس" (یعنی بد) کے معنی ذلیل، عامی اور بزدل کے ہین، لاطینی مین "بونس" (یعنی نیک) کے معنی بہادر اور "ملس" (یعنی بد) کے معنی سیاہ کے ہین، (قدیم سلطنتِ روما مین نیچے طبقہ کے لوگ مثلاً غیر ایرین باشندے سیاہ چہرے اور سیاہ بال کی وجہ سے پہچان لیے جاتے تھے) گیلک زبان (اسکاٹلینڈ کی ایک زبان) مین "فن" (یعنی نیک) کے اصلی معنی "خوبصورت بال والا" کے آتے تھے اور اب شریف اور ستھرا کے آتے ہین، جرمن مین "شلکٹ" پہلے "سادہ لوح" کے معنی مین مستعمل ہوتا تھا، اب خراب کے معنی مین مستعمل ہوتا ہے، اس موقع پر نٹشے کو یونانی لفظ "نوپیا" (بمعنی "بد") کی مثال بھی پیش کرنی چاہیے تھی، کیونکہ یہ لفظ "نودس" سے مشتق ہے جس کے معنی "محنت و مشقت" کے ہین، اس کے نقطۂ نظر سے یہ مثال بہت موزون ہوتی

اعلیٰ طبقہ کے لوگون کا زبان پر جو اثر ہوا وہ اوپر مذکور ہوا، اب تصویر کا دوسرا رخ ملاحظہ ہو جہان کہین غلامون اور ادنے طبقہ کے لوگون کی اخلاقیت غالب ہے "گڈ" (اچھا) اور "اسٹوپڈ" (بیوقوف) دونون قریب قریب ایک ہی معنی مین مستعمل ہوتے ہین، مثلاً "سیلی" (بیوقوف) پرانی انگریزی "سیلگ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "مسعود و مبارک" کے آتے تھے، پہلے "سمپل" (سادہ لوح) اس شخص کے لیے مستعمل ہوتا تھا جسکا ظاہر و باطن ایک ہو، اب ایک دیہاتی شخص یا مختل الحواس کو "انوسنٹ" (معصوم و بے ضرر) کہا جاتا ہے، جرمن لفظ "البرن" جن کے معنی "سادہ لوح" کے آتے ہین پہلے "سچا اور مخلصانہ" کے آتے تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ (۵۹) جمہوریت پسندون نے جو بغاوت و شورش کی تھی اس کے خلاف شاعر مذکور نے نمایان حصہ لیا، وہ شخصیت پسند تھا، اس نے ہر جگہ اپنے کلام مین شخصیت کو "خیر" اور جمہوریت کو "شر" سے تعبیر کیا اور اس طرح باشندگان یونان کو تحریک جمہوریت مین حصہ لینے سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

اخلاق کا مستقبل

خواص کی اخلاقیت کے متعلق نٹشے کا خیال ہے کہ موجودہ نسل کے مقابلہ مین آئندہ نسلون کا اخلاق بظاہر بدتر نظر آئے گا، لوگ اس وقت برے بھلے ہر طرح کے کامون مین دلیر اور بیباک ہون گے، وہ نیک کام نیکی کی غرض سے کرینگے عوام کی طرح نہین جو صرف جزائے خیر کے بھروسہ پر نیک کام کرتے ہین، آئندہ نسلون کی اخلاقیت پر بحث کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے:-

"ہمین ذی حس ہونے کی جرأت پیدا کرنی چاہیئے، ہمین حاصل کی ہوئی چیزون کو برقرار رکھنا چاہیئے، ہمین بوسیدہ اور مہمل معیارِ اخلاق سے نجات حاصل کرنی چاہیئے، کیونکہ ایسے معیار کی موجودگی مین ہم ان قیمتی چیزون کے اہل نہین رہتے جنکو ہم حاصل کر چکے ہین، اشیار کی حقیقی قدر و قیمت کی بنا پر ان کی صف بندی ہونی چاہیئے تاکہ کسی کو افسوس و ندامت کا موقع نہ ہو، آنیوالی نسلون کے سربرآوردہ اشخاص ہمارے موجودہ طرز زندگی پر آوازے کسین گے، اور ہمارا اس وقت کا شرمندہ ہونا اور کفِ افسوس ملنا ان کی نظرون مین ویسا ہی فضول و بیکار ہو گا جیسا کتّے کا پتھر کو کاٹنا، وہ لوگ کسی کام کو معلق اور ادھورا نہین چھوڑین گے"

نٹشے اسی سلسلہ مین سابق زمانہ کی اخلاقیت پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

"اب تک دنیائے اخلاق مین تمام ترقیان جرائم کی وجہ سے ہوئین جنکی ابتدا پرومیتھس[1] کے آگ چرانے سے ہوئی، آئندہ بھی جرائم اور تشدد آمیز انقلابات کے بغیر ترقی نہین ہو سکتی انسان بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج جو حاصل کر سکتا ہے وہ صرف کامیاب جرائم کی بدولت اب تک برابر یہی دیکھا گیا ہے کہ جس کسی نے مروجہ قوانینِ اخلاق کی خلاف ورزی کی اسے شروع

---

[1] Prometheus یونانی افسانون مین وہ "آگ چرانے والا" کے لقب سے مشہور ہے یونانیون کا اعتقاد تھا کہ دیوتاؤن کے مقدس آتشکدہ سے وہ آگ چرا لایا تھا جسکی وجہ سے وہ عرصۂ دراز تک مقید رہا اس کے بعد ہرکلس نے اُسے رہائی دلائی، دنیائے خاکی مین یہ پہلا جرم تھا جس سے انسانی ہاتھ ملوث ہوا، ایک انگریزی کتاب (Tales of Troy) مین یہ قصہ تفصیل کیساتھ درج ہے،

مین "بدکار" کا لقب دیا گیا، لیکن جب بعد کو وہی قوانین برقرار نہ رہ سکے اور لوگ تغیر و تبدل کے خوگر ہو گئے تو اس کا لقب بھی رفتہ رفتہ بدل گیا، تاریخ کے صفحات ایسی مثالون سے بھرے پڑے ہین کہ "بدکار ہستیان" کچھ دن بعد "نیکو کار" تسلیم کر لی گئین، اخلاقیت مین اب تک جتنے تغیرات و انقلابات ہوئے وہ سب کامیاب جرائم کی وجہ سے، تمام اچھی چیزین پہلے بری تھین، ہر "قبیح" سے "حسن" اور ہر "شر" سے "خیر" خود بخود پیدا ہو گیا، مثلاً عقد کرنا جسے لوگ پہلے جرم سمجھتے تھے کہ اس سے جماعت کی حق تلفی ہوتی ہے، پہلے اگر کوئی شخص کسی عورت کو اپنے لیے مختص کرنے کا دعویدار ہوتا تو اسے جرمانہ ادا کرنا پڑتا تھا،

جنگ — آنیوالی نسلون مین (جو نٹشے کے پیش کردہ قوانین اخلاق پر عمل پیرا ہونگے) امتیازی خصوصیت یہ ہوگی کہ وہ حد سے زیادہ جری اور بیباک ہونگے اور جنگ کرنے پر ہر وقت تیار رہین گے اور وہ انسانون، دیوتاؤن اور ستارون سے مقابلہ کرینگے، چنانچہ نٹشے لکھتا ہے:

"اگر تم عالم و فاضل نہین بن سکتے تو کم از کم سپاہی بن جاؤ، جنگ نے دنیا مین صدقہ و خیرات سے بڑھکر کام کیا ہے، تم سوال کروگے کہ "خیر" کیا شے ہے؟ جواب "بہادر ہونا"، اپنی زندگی کے دن فرمانبرداری اور جنگجوئی مین گذارو، زندگی کی بہترین خدمت یہ ہے کہ تم اپنے حوصلے بلند رکھو اور یہ بلند حوصلے تمہاری کوششون کا مرکز رہین، ہماری دنیا سے "یونانی دنیا" کو جو امتیاز حاصل تھا اس کی وجہ زیادہ تر جنگ کی محبت تھی، یونانی طبعاً حاسد ہوتے تھے اور جنگجوئی کو "بدنما داغ" نہین بلکہ اپنے دیوتا کا "فضل و کرم" سمجھتے تھے، ان کے نزدیک ہر قدرتی نعمت کا ظہور جنگ اور لڑائی پر موقوف ہے، یونان کا ایک قوم پرست فاضل کہتا ہے کہ "اگر مین گاہے گاہے رزمیہ نظمین پڑھون تو لوگ مجھے معاف کرین کیونکہ اگرچہ جنگ اپنے ساتھ مصائب و آلام کا ذخیرہ لاتی ہے تاہم یہ ایک زبردست اور پاک دیوی ہے جو سلطنت

کے مواد فاسدہ کو دور کر دیتی ہے۔" ان اقوام کے لیے جو روز بروز کمزور اور ذلیل و خوار ہوتی جاتی ہین جنگ اکسیر اعظم ہے، اگر واقعی اُنھین دنیا مین زندگانی کرنا ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی، ہر قسم کی تباہی کا علاج تشدد آمیز ذرائع سے ہونا چاہیئے، ہمیشہ زندہ رہنے کی تمنا کرنا اور موت سے گریز کرنا درحقیقت جذبات و حسیات کے بوسیدہ ہو جانے کی نشانی ہے، اگر ہم عزت و ناموری کیساتھ دنیا مین رہنا چاہتے ہین تو پھر ہمین ایک ایک خوشی کے بدلے جان قربان کر دینے پر تیار رہنا چاہیئے جو لوگ اس قسم کے جذبات رکھتے ہین ان کو پھر جنگ کی ضرورت نہین ہو

جنگ کے متعلق نٹشے کے متذکرہ بالا خیالات بے شبہہ قارئین پر ناگوار اثر ڈالین گے، اور امن پسند اشخاص کو تو دہلا دینگے، لیکن ہمین یہ نہین بھولنا چاہیئے کہ آج تک تمام ترقی یافتہ اقوام ان ہی ہدایات پر عمل پیرا ہین، زبردست سلطنتون کی ہیبت بلکہ مجنونانہ جنگی تیاریان اس دعویٰ کا عملی ثبوت ہین،

اگر قارئین ان خیالات کے اسباب دریافت کرنا چاہین تو ان کو جرمن جنرل برنہرڈی[1] کی مشہور کتاب "جرمنی اور آئندہ جنگ" کا مطالعہ کرنا چاہیئے، اس کتاب مین ذیل کی عبارت قابلِ غور ہے:-

"جنگ لازمۂ زندگی ہے، لڑائی حیات انسانی کے لیے ناگزیر ہے، اگر دنیا سے لڑائی اُٹھ جائے تو ایسے نتائج نمودار ہون گے جو بنی آدم کے لیے مضر اور تہذیب و تمدن کے لیے مہلک ہین، ہیرکلیٹس کا قول ہے کہ جنگ تمام اشیاء کی جڑ ہے، اگر لڑائی نہ ہو تو کمزور اور بداخلاق اقوام تندرست اور نیک اخلاق قومون کو نیست و نابود کر دینگی، اور ایک عالمگیر

---

[1] G. Bernhardi (۱۸۷۵ء–۱۹۳۸ء) جرمنی کا مشہور تاریخ دان اور ماہرِ لسانیات تھا، یہودی خاندان سے تھا، اسکی کتاب "قدیم روم و یونان کی تاریخ" مشہور ہے،

زوال وتباہی کا ظہور ہوگا، جنگ اخلاق کا جز ولاینفک ہی، بوقت ضرورت ارباب تدبر و سیاست کو لڑائی چھیڑنے کا نہ صرف حق ہی حاصل ہے بلکہ ایسا کرنا ان کا اخلاقی اور سیاسی فرض ہے

کتاب مذکور کے سرنامہ پر نٹشے کا یہ مقولہ جلی حرفون مین لکھا ہوا ہے، "جنگ اور دلیری نے دنیا مین پڑوسیون کی محبت سے بڑھکر کارہائے نمایان کئے ہین" یہ کتاب اسی سال شائع ہوئی اور ایک سال کے اندر اس کے متعدد ایڈیشن نکل چکے ہین،

نٹشے کے حسب ذیل جملون کی صداقت مین کس فرد بشر کو کلام ہو سکتا ہے ؟ :-

"مین موجودہ زمانہ کی روز افزون بین الاقوامی تحریکون اور دنیا کی تابڑ توڑ مصیبتون مین "خوف جنگ" کی علامات تو محسوس کئے بغیر نہین رہ سکتا مین تحریرون مین زیادہ تر پرستاران دولت کو پریشان حال اور خوف زدہ پاتا ہون جو اپنی قدرتی جہالت کی وجہ سے فن سیاست کو ذریعۂ تجارت بنائے ہوئے ہین، اور جو حکومت اور جمعیت کو اپنی دولتمندی کا آلہ سمجھے ہوئے ہین سلطنت کا خیال چھوڑ کر صرف دولت و ثروت کا خیال کرنا ایک مرض ہی جسکا واحد علاج جنگ ہے، لڑائی چھیڑنے کی صورت مین کم از کم یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ سلطنت کی بقا، (افراد انسانی کی حفاظت کے لیے) جنگ سے گریز کرنے پر نہین بلکہ حکومت و حکمران کی وفاداری پر موقوف ہے، اس سے جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ اعلیٰ کامیابی کا پیش خیمہ ہوتا ہے"

باب سوم
مسیحیت کی تردید

اصول | یونان کے مشہور اساتذہ ہیرکلیٹس[1] اور امپیڈوکلس[2] (جنکو نٹشے اپنا پیشوا سمجھتا تھا)

---

[1] صفحہ ۳۰ کے حاشیہ پر دیکھو [2] صفحہ ۳۰ کے حاشیہ پر دیکھو،

سے نے زمانۂ حال کے بعض مسائل کا خاکہ پہلے سے تیار کر دیا تھا مثلاً اول الذکر نے "مسئلۂ ارتقاء" اور آخر الذکر نے "مسئلۂ انتخاب طبیعۃ" کی طرف اپنا میلان ظاہر کر دیا تھا، چنانچہ نٹشے کی رائے مین ڈاروِن کا نظریہ امپیڈوکلس کے نظریہ کی ایک خاص صورت ہے، بہرکیف بد نصیبی کی بات ہے کہ نٹشے نے بھی اور ون کی طرح ان دو مسائل (ارتقاء اور انتخاب طبیعۃ) کی کماحقہ تفریق نہین کی، نٹشے کا خیال تھا کہ "انتخاب طبیعۃ" کی کامیابی کا دار مدار "استخراج" پر ہے، (یعنی کمزورون کو نیست و نابود کر دینا چاہیئے)

اسپنسر کی طرح نٹشے کا بھی خیال تھا کہ لوگون کا میلان "استخراج" کی طرف بہت کم ہے، کیونکہ اسمین بہت سے موانع سدِ راہ ہین سب سے بڑی رکاوٹ پہلے بھی اور اب بھی مسیحیت کا وجود ہے کیونکہ مسیحیت صرف کمزورون اور ناکارون کی حمایت کرتی ہے، دوسری رکاوٹ نٹشے اور اسپنسر دونون کی نظر مین "رحم" ہے، بے شبہہ "رحم" وقتی مصائب کا ازالہ کر دیتا ہے لیکن اُن خطرات کو نظر انداز کر جاتا ہے جو اسکی تنگ نظری کی وجہ سے پیدا ہوتے ہین،

مسیحیت اور انتخاب	مسیحیت کے متعلق نٹشے کے ابتدائی خیالات درج ذیل ہین۔

"مسیحیت پر اب تک جتنے حملے کیے گئے وہ نہ صرف بزدلانہ تھے بلکہ غلط بھی جبتک مسیحی اخلاقیت کے بدترین جرم ہونے کا احساس نہ تھا اس وقت تک حامیانِ مسیحیت کو اطمینان تھا، مسیحی اخلاقیت کی قدر و قیمت کا مطالعہ کیے بغیر "مسیحی مذہب" کی صداقت کے متعلق سوال کرنا ہمارے موضوعِ بحث سے باہر ہے، خواہ یہ سوال وجودِ باری کے متعلق ہو خواہ دین عیسوی کی ابتدائی تاریخ کی بابت ہو، پس اصل سوال یہ ہے کہ مسیحیت کے قوانینِ اخلاق کسی کام کے بھی ہین یا صرف اذیت رسان اور مہلک ہی ہین، ہرچند کہ ان کا نفاذ تقدس و عظمت کے پیرایہ مین ہو، مذہب کے برحق ہونے کے لیے ہر طرح کے مغالطہ آمیز ثبوت

پیش کئے جاتے ہین، اور پرجوش حامیانِ مذہب آخر مین اپنے مخالفین کے دلائل سے عاجز ہو کر یہ کہہ اٹھتے ہین کہ بعض اشیاء ایسی بدیہی ہین کہ ان کے ثبوت کی ضرورت نہین ہوا کرتی، اس طرح یہ لوگ ان دلائل کو نظر انداز کر جاتے ہین جو ان کے دعوے کی تردید مین پیش کئے جاتے ہین، آجکل یہ مغالطہ "کینٹ[1] کی تنقید" کے نام سے موسوم ہے"۔

مسیحیت انتخاب کا عکس ہے:- مسیحیت اور "انتخاب طبیعہ" پر بحث کرتے ہوئے نٹشے لکھتا ہے:-

"اگر ایک بیمار اور ضعیف شخص (عیسائی) کی منزلت وہی ہو جو ایک صحیح و تندرست شخص (کافر) کی ہوتی ہے تو ارتقاء کی قدرتی راہ مسدود ہو جائے گی اور خلافِ فطرت چیز قانون بنجائے گی، قدرت کا اقتضاء یہ ہے کہ کمزور، بوسیدہ اور پست ہمت لوگ فنا ہو جائین لیکن مسیحیت خاصکر ایسے ہی لوگون کی حمایت کا ذمہ لیتی ہے، مسیحیت کمزورون اور اپاہجون کی اس صلاحیت و استعداد کو مستحکم کرتی ہے جو ان کو ایک دوسرے کی حمایت، حفاظت اور اعانت کی تعلیم دیتی ہے، مسیحی مذہب مین دوسرون کی خبرگیری کی جو تعلیم دیجاتی ہے اس کا مقصد صرف ناکارون کی اعانت ہے، جو شخص ایسی تعلیم کو خلافِ اخلاق اور زندگی کے منافی نہ سمجھے وہ خود پست ہمت لوگون مین شامل ہے اور ان ہی کی طرح ذلیل جذبات رکھتا ہے، نوعِ آدم کی خالص اور بے لوث محبت کا مطالبہ یہ ہے کہ افراد انسانی اس کی خاطر ایثار و قربانی کرین، بے شبہہ یہ محبت ایک کٹھن چیز ہے کیونکہ یہ انسانی قربانی کی طالب ہے، مسیحیت نیچے طبقہ کے لوگون کی حمایت کا ایک مغالطہ آمیز ذریعہ ہے، کیا یہ واقعہ نہین ہے کہ صرف ایک شخص کی مرضی سارے یورپ پر اٹھارہ صدی سے بدین غرض حکمرانی کر رہی ہے کہ لوگون کا کمال خاک مین مل جائے، مسیحیت نے اعلیٰ طبقہ کے لوگون سے جنگ کر رکھی ہے اور ان کی مساعی جمیلہ

[1] صفحہ ۶۶ کے حاشیہ پر دیکھو۔

مین روڑا اٹکا رکھا ہے مسیحیت نے ہمیشہ کمزور پست اور بوسیدہ اشیاء کا ساتھ دیا ہے مسیحیت نے طبائع انسانی کی تمام خود دارانہ قوتون کا استیصال کر دینا اپنا مسلک قرار دیا ہے مسیحیت نے زبردست دماغون کا ستیاناس کر دیا ہے کیونکہ اس کی تعلیم ہے کہ عقل و دماغ کے مشورہ پر چلنا گناہ ضلالت اور گمراہی ہے"

نٹشے کی رائے مین تمام مذاہب مقدس دروغگوئیون کا مجموعہ ہین، وہ اپنے مضمون بعنوان "صدق وکذب" اور نیز دیگر مضامین مین اس بات پر زور دیتا ہے کہ بسا اوقات دروغگوئی اور غلط بیانی حق گوئی اور راست بازی سے زیادہ مفید اور کارآمد ہوتی ہے، لیکن وہ مسیحیت پر اس وجہ سے حملہ کرتا ہے کہ "بائبل" (انجیل) کی دروغگوئیان منو[۱] کی مشہور کتاب (قانون) کی غلط بیانیون کی طرح کارآمد نہین ہین، منو کی کتاب مدتہائے دراز کے تجربون اور آزمائشون کا نچوڑ ہے، مسیحیت نے جن چیزون کا بیدردی سے خون کیا ہے (مثلاً اضافۂ نسل، عورت، مناکحت) منو کی کتاب مین ان کا پورا احترام کیا گیا ہے، اس کے مغالطے کارآمد ہین جن کے ذریعہ سے امراء، فلاسفہ، اور سپاہی عوام کی حفاظت کرتے ہین، لیکن انجیل مین یہ بات نہین' اس کے مغالطون کا انجام برا ہوتا ہے، زندگی زہرآلود اور پرخطر ہو جاتی ہے، جسم کو ذلیل و حقیر سمجھا جاتا ہے، اور لوگون کو گناہ کا ڈر دلا کر بالکل بیکار اور نکما کر دیا جاتا ہے" دروغگوئی کے ذریعہ سے تعمیر مقصود ہو یا تخریب، ایک عیسائی اور ایک باغی دونون برابر ہین کیونکہ دونون کا نصب العین تباہی ہے،

مسیحیت کی اصل بنیاد ہر مذہب اوّل اوّل خوف اور ضرورت کی وجہ سے پیدا ہوا، مسیحی مذہب

---

[۱] Manu قدیم یونان کا مشہور و معروف مقنن تھا، سنسکرت کا وہ متبحر عالم تھا، اس نے مذہبی، اخلاقی، اور معاشری قوانین کا مجموعہ تیار کیا جو "دہرم شاستر" کے نام سے اب تک موجود ہے،

یقیناً ادنیٰ طبقہ کے لوگون کا مذہب ہے، عوام کا طبقہ خواص کے طبقہ سے ہمیشہ خائف رہتا تھا اور وقتاً فوقتاً برسر اوج ہونے کی کوشش کرتا تھا، آخر کثرت تعداد کی وجہ سے غالب آگیا، اور یہی مسیحیت کے ظہور کی ابتدا ہے، مسیحیت کمزورون اور اپاہجون کی بغاوت کا نتیجہ ہے مسیحیت ان لوگون کی پستی اور اخلاقی کمزوری کا نمونہ ہے جو اپنی توقعات سے مایوس ہو چلے تھے، اور بالکل تباہ و برباد ہوگئے تھے "مسیحیت نامرادون اور پست ہمتون کی شورش و فساد کا نام ہے

مسیحیت مین مشرقیت کا عنصر بہت غالب ہے، مثلاً مسیحیت کو اس سے غرض نہین کہ ایک واقعہ صحیح ہے یا غلط، اس کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ دنیا اس کو صحیح مان لے"، "خدا کو نوجوان اور کم عمر ہونا چاہیئے تاکہ خفیف سی خفیف حسیات کی آواز بھی اس کے کانون تک پہنچ سکے، عورت کی خاطر ایک "خوبصورت سینٹ" کو اور مرد کی خاطر "کنواری مریم" کو میدان مین آنا پڑا"، "جس کو خدا پیار کرتا ہے اس کو پاکباز بنا دیتا ہے، مشرق کی عورتون کا خیال ہے کہ دنیا سے الگ تھلگ رہنا اور ہر قسم کے تشدد کو برداشت کرنا شوہر کی محبت کی علامت ہے

الغرض مسیحیت نٹشے کی نظر مین متعدد امراض کا مجموعہ ہے، جسکی تفصیل وہ یون کرتا ہے:-

"جس عجیب و غریب اور مہمل دنیا مین مسیحی مبلغین ہمین لیجاتے ہین وہ دنیا صرف دستوایسکی[1] کی خامہ فرسائی کے لیے موزون ہے، یہ دنیا ایک "روسی ناول" سے ماخوذ معلوم ہوتی ہے جسمین جمعیت کی تمام برائیان جسم کی تمام بیماریان اور لڑکپن کی تمام کمزوریان یکجا مجتمع نظر آتی ہین، اگر ان بوسیدہ اور دور از کار اعتقادات کی چھان بین کیجائے تو ہزارون حصہ بھی صداقت کا

---

[1] M. Dostoiewsky ۔(۱۸۲۱ء تا ۱۸۸۱ء) روس کا ایک مسلّم ناول نگار تھا، پہلے وہ انجینیر تھا، پھر ادبیات کے میدان مین گامزن ہوا، اسکی تمام کتابین مقبول خاص و عام ہوئین، چونکہ وہ اشتراکی تھا اسلیے سائبریا مین نظربند رہا، کئی سال بعد واپس آیا اور آخر عمر تک ناول نگاری کرتا رہا۔

نہین، یہ ظاہر ہے کہ ایک عالم لسانیات کسی تاریخی واقعہ کو تسلیم کرنے کے قبل اسکی تحقیق ضرور کریگا

حیات ابدی | "ہر شخص کا درجہ غیر فانی روح" کے نقطۂ نظر سے مساوی ہے"۔ "ہر کس وناکس کی نجات حیات ابدی کی متقاضی ہے"۔ "متعصبون اور دیوانون کی خاطر قوانین فطرت بدل سکتے ہین"۔ اس قسم کی خودغرضی ونفس پرستی لائق ہزار نفرین ہے، باایں ہمہ مسیحیت کی فتح وکامرانی کا راز اسی فخر ومباہات مین مضمر ہے، اس ذریعہ سے مسیحیت نے تمام کمزورون، نکمون، بیکارد باغیون اور دشمنون کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے، روحانی نجات کے معنی صاف الفاظ مین یہ ہوئے کہ "دنیا میرے اردگرد گھومتی ہے"۔

گناہ | جرم وسزا اور نجات وبخشائش کی کوئی اصل نہین، یہ الفاظ صرف اس غرض سے اختراع کئے گئے ہین کہ انسان مین "علت ومعلول" کا جو احساس پایا جاتا ہے وہ فنا ہو جائے، علت ومعلول کے تصور پر یہ حملہ گھونسے سے نہین، چھری سے نہین، بلکہ مکاری، چالبازی اور بزدلی سے کیا گیا ہے، یہ پادریون اور خوشامدیون کا حملہ ہے جو جونک کی طرح خون چوس لیا کرتے ہین، جب کسی فعل کے "فطری نتائج" کو "فطری" نہین سمجھا جاتا اور اوہام پرستی، خدا پرستی اور روح پرستی کے اقتضا سے ان کو "اخلاقی نتائج" یعنی جزا وسزا سے تعبیر کیا جاتا ہے تو پھر علم کی ساری بنیاد متزلزل ہو جاتی ہے اور بنی آدم کے قلب پر سخت صدمہ پہنچایا جاتا ہے، مین بار بار کہتا ہون کہ "گناہ" کا اختراع صرف اس وجہ سے کیا گیا کہ علوم وفنون اور تہذیب وتمدن کا ستیاناس ہو جائے، صرف "گناہ" کا ڈر دلا کر عوام پر پادریون کی حکومت مسلط ہو سکتی ہے۔

مسیحیت کے تاریخی نتائج | نٹشے مسیحیت کے اثرات ونتائج کو یون بیان کرتا ہے:-

"اگلے زمانہ کی تمام مساعی جمیلہ بیکار ہو گئین، مجھے ایسے الفاظ نہین ملتے جو اس سنگین جرم کے متعلق میرے خیالات کو پوری طرح ادا کر سکین، پہلے اعلیٰ تہذیب وتمدن

کی ساری ضروریات مہیا تھیں، سائنس کے تمام لوازمات میسر تھے، تحصیل علم کا بہترین ذریعہ موجود تھا، علوم طبیعیہ (مع علم ریاضی و علم جر ثقیل کے) کا بازار گرم تھا، واقعات و حقایق جاننے کا عمدہ سامان صدیون سے مہیا تھا، تمام چیزین جو ایک کام شروع کرنے کے لیے ضروری تھین فراہم ہو چکی تھین، کام کرنے کا اصول جو مشکل بھی ہے اور اہم بھی متعین ہو چکا تھا، غرض وہ تمام اشیا، جو آج ہمنے محققانہ نظر، دور اندیشی، صبر و تحمل اور استقلال و سنجیدگی کے ذریعہ سے حاصل کی ہین، دو ہزار برس پہلے موجود تھین، ان تمام حقائق و معارف کا ستیاناس ہو گیا اور اب صرف خواب و خیال رہ گیا، فلسفۂ یونان، تمدن روم، فہم و فراست، ذہن و ذکاوت، تحقیقات علمی، نظام سیاسی غرض تمام ضروریات زندگی فراہم تھین اور یہ صرف نمایشی اور دکھاوے کی نہین بلکہ اصلی اور حقیقی، یہ سب چیزین ایک رات مین آناً فاناً نیست و نابود ہو گئین کسی قدرتی آفت کی وجہ سے نہین کسی آسمانی مصیبت کے سبب سے نہین بلکہ مکاری، دغابازی اور چالبازی کے باعث، اندر ہی اندر خون چوسنے والے شیطان نے ان لوازمات تمدّن کا خاتمہ کر دیا، واقعہ یہ ہے کہ اب تک کسی نے ان لوازمات تمدن پر فتح نہین پائی بلکہ صرف ان کا خون چوس لیا گیا ہے، ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ تنگ خیالیون اور ناپاک جذبات کا غلبہ ہو گیا، مسیحیت کے پر جوش علمبردارون (مثلاً سینٹ اغطین وغیرہ) کے حالات زندگی پڑھو تو تمھین معلوم ہو گا، کہ صرف ادنیٰ طبقہ کے لوگون کو عروج حاصل ہوا۔"

ذیل کے جملے خاص طور سے قابل غور ہین:-

"اگلے زمانہ کی تہذیب و تمدّن سے ہمین جو پھل ملنے والا تھا مسیحیت نے اس کا ستیاناس کر دیا، اور پھر بعد کو تمدّن اسلام سے جو پھل ہمین مل رہا تھا اُسے بھی مسیحیت نے برباد کر دیا، مسیحیت نے اندلس کے شاندار تمدّن اسلام کا گلا گھونٹ دیا، صلیبیون نے مسلمانون سے بارہا لڑائیان

ڑین، لیکن اس سے کہین بہتر ہوتا کہ زمین پھٹ جاتی اور وہ اندر سما جاتے، جنگ صلیبی اعلیٰ درجہ کی رہزنی تھی۔"

سینٹ پال | نٹشے حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت کرتا ہے، وہ شاذ و نادر ان کی ذات اقدس پر حملہ کرتا ہے، وہ اپنا سارا غصہ سینٹ پال پر اتارتا ہے جسکو وہ مسیحی مذہب کا ذمہ دار بلکہ بانی مبانی قرار دیتا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے :۔

"سینٹ پال بہت زیادہ حوصلہ مند اور غرض کا بندہ تھا، وہ وہم پرستی اور عیاری کا مجسمہ تھا، مسیحیت کا جہاز کفرستان سے پار ہو کر ساحل تک جو صحیح و سالم پہنچگیا وہ اسی شخص کی کوششون کا نتیجہ تھا، اس کا دماغ بہت پست واقع ہوا تھا، اس نے قانونِ فطرت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، اس کا ضمیر نفرت، قتل، جادو، بت پرستی، آوارگی، شراب خواری غرض ہر قسم کے جذبات کا آماجگاہ تھا، وہ ابتدا مین قانونِ فطرت کی حمایت کرکے اپنے دل کو تسکین دینے کی کوشش کرتا اور بو سرِ اقتدار ہونے کی خواہش کرتا، لیکن ہر لحظہ اور ہر آن اس کے دل و دماغ مین یہی خیال چکر لگاتا کہ "یہ سب بے سود اور لاحاصل ہین" انجام کار نجات کی صورت اس کے دل و دماغ مین آئی، سینٹ پال اب تک قانون کا زبردست حامی تھا مگر اب دل ہی دل مین اس سے بیزار ہوتا جاتا تھا، اس کشمکش مین حضرت مسیح علیہ السلام مع اپنی نورانی تجلّی کے اس کے سامنے ظاہر ہوئے، اس نے یہ الفاظ سن لئے "تم مجھے کیون ایذا دیتے ہو؟" اس کے بعد جو گذرا اسکا خلاصہ یہ ہے :۔

"سینٹ پال کا دل و دماغ نورِ تجلّی سے یکایک منور ہو گیا اور وہ اپنے جی مین کہنے لگا "یہ میری نجات کی صورت ہے، یہ میرے انتقام کا ذریعہ ہے، مجھے قانونِ فطرت کی بیخکنی کا ایک اچھا خاصہ ہتھیار مل گیا ہے۔" اس کے بعد سے وہ ہمیشہ قانون و ضابطہ کے استیصال

مین سرگرم کار رہا، وہ پہلا عیسائی تھا بلکہ دین عیسوی کا بانی تھا، اس کے پہلے صرف چند یہودی ایمان لائے تھے۔"

حضرت مسیح علیہ السّلام نے سولی پر جان دی، اس کے بعد جو شے "گوسپل" (خوشخبری) کے نام سے موسوم ہوئی وہ درحقیقت اس "گوسپل" کے خلاف تھی جو حضرت مسیح علیہ السّلام نے دیا تھا، موجودہ "گوسپل" خوشخبری نہین ہے بلکہ بدخبری ہے۔ نٹشے اس سلسلہ مین لکھتا ہے :۔

"یہ سخت غلطی بلکہ حماقت ہے کہ ہم حضرت مسیح علیہ السّلام کے ذریعہ سے نجات کی امید رکھتے ہین، انکی تعلیم کا مقصد صرف طرز زندگی بتانا تھا یعنی یہ کہ زندگی اسی طرح گذار دینی چاہیئے جس طرح سولی پر جان دینے والے نے گذار دی، آج بھی ایسی زندگی ممکن ہے، ان کی غرض طرز عمل بتانا تھا نہ کہ مذہب قائم کرنا، لیکن اب ہر شخص کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے بودھ کی طرح جس تسکین قلبی اور مسرت روحانی کی تعلیم دی ان کی وفات سے اس کا خاتمہ ہو گیا"

سینٹ پال کے متعلق نٹشے کی یہ رائے ہے :۔

"سینٹ پال بدباطن تھا اور صرف اقتدار حاصل کرنے کا مشتاق، اس نے حضرت مسیح علیہ السّلام کی زندگی، ان کی تعلیم اور ان کی وفات کے واقعات کی تحریف کر دی، اس نے بنی اسرائیل کی تاریخ بدلدی تاکہ حصول مقصد مین سہولت ہو حالانکہ تمام جانشینون نے اپنے پیشواؤن کی پوری تقلید کی ہے، جن چیزون پر خود سینٹ پال کو ایمان نہ تھا وہ ان کو نادانون اور جاہلون سے منوانا چاہتا تھا، اس نے ان عیسائیون کو جو یہودی مذہب کے مخالف تھے اور ان اشخاص کو جو اس وقت علم و ریاست مین ممتاز تھے، ایسی توقعات دلا کر اپنے قبضہ مین کر لیا جنکا پورا ہونا ناممکن تھا، اس نے ہر انسان کی روح کو غیر فانی قرار دے کر اور "ہمارا خدا" "خدا ئے واحد" "خدا کا اکلوتا لڑکا" کی رٹ لگا کر سب لوگون کو اپنے قابو مین

کر دیا، سینٹ پال نے جو ایک فریبی اور چالباز آدمی تھا ادنی درجہ کی اخلاقیت کی تعلیم دی، کیونکہ اس کا قول تھا کہ شرفار کی ضرورت نہین بلکہ خدائے پاک دنیا کی خراب اور بوسیدہ چیزون کو پسند کرتا ہے تاکہ اچھی چیزین برباد ہو جائین"

مسیحیت اور محبت انسانی | نٹشے کو ایسے زبردست الفاظ نہین ملتے جنسے وہ اپنا غصہ مسیحیت پر اُتار سکے، وہ لکھتا ہے:-

"مسیحیت نے محبت کے دیوتاؤن (ایروز اور افروڈٹ) کو شیطان اور جہنمی قرار دیا اور ہر عیسائی کے قلب مین اُن کی طرف سے نفرت و بیزاری پیدا کر دی، ایروز کا طبقہ اگرچہ ظاہرا اُلٹ دیا گیا ہے تاہم بنی نوعِ آدم کے لیے اس "شیطان" کے قصے پادریون کے واقعات سے زیادہ دلچسپی کا سامان رکھتے ہین، اس پُراسرار مذہب کے باوجود آج بھی محبت کے افسانے بہت زیادہ دلکش اور مرغوبِ خاطر ہین، آجکل اِن افسانون کا جو اثر عوام پر پڑتا ہے، اس کا وہم و گمان بھی اگلے زمانہ مین نہ تھا اور آنے والی نسلین بھی بہت زیادہ محظوظ ہونگی"

مسیحیت اور علم و ہنر | نٹشے کی نظر مین (جس نے اپنی کتاب "حادثہ کا آغاز" مین دنیا و مافیہا کو "جاہلی شئے" قرار دیا ہے) مسیحیت ایک کانٹا ہے جو اسکی کوششون مین سدِ راہ ہے، وہ مسیحیت کو علم و ہنر کے منافی سمجھتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"دین عیسوی خاص خاص مسائل (مثلاً وجودِ باری وغیرہ) کے سوا اور تمام علوم و فنون کو بیکار اور بے سود سمجھتا ہے اور اُن کو حقارت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جو مذہب حیاتِ انسانی کی صرف آخری گھڑی کو مہتم بالشان قرار دے اور وجودِ دنیوی زندگی کے خاتمہ کی پیشینگوئی کرے، وہ قطعاً تمام مساعی جمیلہ اور افکارِ عالیہ کے لیے سمِ قاتل ہے، میری رائے مین مذہب کسی شئے کا اثبات نہین کرتا، پاگل خانہ کی اتفاقی سیر اس امر کو واضح کر دے گی، آج بھی ایک

گمنام مذہب کو جس کا کوئی اثر نہ ہو چند دردانگیز واقعات کے اعادہ سے وقیع اور شاندار بنایا جاسکتا ہے، مسیحیت اب "اخلاقیت" کے قالب مین جلوہ گر ہوئی ہے، لیکن عقل سے بڑھکر ذوق سلیم اسکے خلاف فیصلہ کرتا ہے"

خدا | خدا کے متعلق بھی نٹشے کا خیال مسیحی نقطۂ خیال سے بالکل جداگانہ ہے، وہ دین عیسوی کے "تصوّرِ باری" پر اعتراض کرتا ہے، قارئین غالباً عمر خیام کی ان رباعیات سے واقف ہون گے جنمین وہ انسان کی خلقت کا تذکرہ مکالمہ کے پیرایہ مین کرتا ہے، ان رباعیات کا ماحصل یہ ہے:-

"ایک نے کہا، بیشک میری پیدائش کے لیے زمین سے مٹی بیکار نہین لیگئی، جس نے مجھے اس وضع مین پیدا کیا، کیا وہ پھر مجھے اسی خاک مین پیوند کر دے گا؟

دوسرے نے کہا، ایک نادان لڑکا بھی اس تھالی مین چھید نہین کریگا جسمین وہ کھاتا پیتا ہے، جس نے محبّت و شفقت کیساتھ ایک برتن بنایا کیا وہ غصہ مین اُسے توڑ دیگا؟"

یہ خیال کہ "جب مخلوقات نے کجروی اختیار کی تو خدا نے انتقام کے طور پر ان کو فنا کر دیا" نٹشے کی نظر مین ذوق سلیم کے خلاف ہے،

نٹشے آگے چلکر لکھتا ہے:-

"خدا چھپی ہوئی ذات ہے جو اسرار سے بھری ہوئی ہے، خدا اپنے بیٹے کیساتھ کھلم کھلا نہین آیا جبتک خدا یعنی "مشرقی خدا" نوجوان تھا اُس کے مزاج مین سختی، درشتی اور انتقام کا مادہ تھا، لیکن جب وہ سن رسیدہ ہوا تو وہ شفیق، رحمدل اور سنجیدہ ہو گیا، بعدازان وہ خلوت نشین ہو گیا، اس کے پاؤن کمزور ہو گئے اور وہ بالکل خستہ و ضعیف ہو گیا، لیکن ایک حاضر و ناظر اور عالم الغیب خدا جو اس بات کی پروا نہ کرے کہ اس کے ارادون کے متعلق اس کی مخلوقات کو غلط فہمی ہو گی، کیا نیکی کا خدا ہو سکتا ہے؟ وہ خدا جو ان بے شمار شکوک و شبہات

کی روک تھام نہین کرتا جو قلوب انسانی مین آزادی کے ساتھ گشت لگاتے رہتے ہین (گویا وہ نجات انسانی سے کسی طرح کا علاقہ نہین رکھتے) اور پھر بھی راہ سے بے راہ ہونے والون کے لیے سنگین سزائین تجویز کرتا ہے، کیا ظالم خدا نہ ہوگا؟ خدا کو تمام باتون کا صحیح صحیح علم ہے تاہم اس نے اپنی مخلوقات کو بیچینی اور خلش کے عالم مین چھوڑ رکھا ہے۔ ہرچند کہ انسانی دل و دماغ حق کی جستجو مین سرگردان رہتے ہین، حق کا پتہ نہین چلتا، خدا کے متعلق عیسائیون کا تصوّر (یعنی یہ کہ خدا کمزورون کا دیوتا ہے یا خدا روح ہے) مہمل ترین تصوّر ہے، جو اوس کے زوال کا پتہ دیتا ہے، یہ تصوّر خدائے پاک کو اعلیٰ و ارفع ثابت کرنے کی جگہ اسکو زوال پذیر اور پست ہمت قرار دیتا ہے ؛

مسیحیت پر نٹشے کا فیصلہ اس چھوٹی سی کتاب مین ان تمام اعتراضات کا استقصا نہین ہوسکتا جو نٹشے نے مسیحیت پر متعدد پہلوؤن سے کئے ہین، نٹشے مطلقاً مذہب کی خوبیون کا منکر نہین اس کا خیال ہے کہ خواص کے ہاتھ مین "مذہب" ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ سے وہ عوام پر سہولت کیساتھ حکومت کرتے ہین، مذہب سے عوام اور غربا کو بھی فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ ایک طرف ان کی طبیعت مین (مذہب کی بدولت) اطاعت و فرمانبرداری کا مادہ پیدا ہوجاتا ہے اور دوسری طرف وہ اپنی غربت و افلاس کو بھولکر صبر و قناعت کرنا سیکھتے ہین،

مذہب کی ان خوبیون کے باوجود نٹشے مسیحیت کو ایک ڈراؤنی چیز سمجھتا ہے، اوسکی نظر مین مسیحیت کا وہی پایہ ہے جو فساد و شورش (انارکزم) اور اشتراکیت (سوشیلزم) کا ہے، وہ ان دونون تحریکون کو مسیحی مذہب کے ان مسائل و احکام کی فروع سمجھتا ہے جو عامۃ الناس کے لیے مخصوص ہین، وہ انجیل کو دستانہ پہنے بغیر چھونا نہین چاہتا، وہ اپنے مسیحی معاصرین پر لائے زنی

کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"عیسائی عوام کی طرح زندگی بسر کرتے ہین، ان کی عیسائیت صرف روح کی نمائشی رسومات سے عبارت ہے، ان کی صحبت مین میرا دم گھٹنے لگتا ہے، زمانۂ ماضی کے متعلق مین صبر و تحمل سے کام لیتا ہون اور بنی نوعِ آدم کو ان کے خللِ دماغ کی وجہ سے قصور وار نہین ٹھہراتا، لیکن جب مین زمانۂ حال پر نظر کرتا ہون تو میرے جذبات یکایک بدل جاتے ہین، آجکل عیسائی ہونا حماقت ہے"

نٹشے جو اپنے تئین مسیحیت کا فطری دشمن کہتا ہے اس آتش بیانی کے ساتھ مسیحیت پر اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے :-

"مین مسیحیت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہون اور اس پر بڑے سے بڑا جرم عائد کرتا ہون جو ایک حاکم ایک ملزم پر کر سکتا ہے، مین مسیحی مذہب کو دنیا کی سب سے بڑی بدکاری سمجھتا ہون، میرے نزدیک مسیحیت بہت بڑی لعنت، بہت بڑی ضلالت اور بہت بڑا انتقام ہے، مسیحیت ہر قسم کے صفات ذمیمہ سے متصف ہے، مین مسیحی مذہب کو دامنِ انسانیت کا ہمیشہ باقی رہنے والا بدنما داغ سمجھتا ہون"

باب چہارم

"فوق البشر"

اصول لڈوگ روتیمار نے جو بیل یونیورسٹی مین علم الحیوان اور علم تشریح کا پروفیسر اور نٹشے کا رفیقِ کار تھا، اس کے خیالات پر گہرا اثر ڈالا، چنانچہ روتیمار کی طرح نٹشے کا بھی اعتقاد تھا کہ بندر اور انسان ایک ہی درخت کی دو شاخین ہین، اس نے بڑی دلیری کے ساتھ یہ بھی اعلان

کیا کہ اس دعوے کے اثبات کے لیے ایک عظیم الشان پیمانہ پر تحقیق و تفتیش کا سلسلہ شروع کرنا چاہیئے جو ہزاروں برس جاری رہے،

روتیمار کے سوا اور تمام ماہرینِ علمِ حیات کا جنکی کتابین نٹشے نے پڑھی تھین یہ دعویٰ تھا کہ اکتسابی اوصاف بھی وراثتہً منتقل ہو سکتے ہین، نٹشے کا بھی یہی دعویٰ تھا لیکن تعجب اور افسوس یہ ہے کہ اس نے اس دعوے کو اس قدر وسیع کر دیا، کہ واقعات و حقائق سے اس کا ثبوت نہین ملتا، اگرچہ اس کا خیال تھا کہ اب تک کسی شخص کو "وراثت" کے اصلی معنی نہین معلوم ہین تاہم باستثنائے چند اس کی تمام تحریرین اس کے اس اعتقاد کو ثابت کرتی ہین کہ انسان نے "انتخاب طبیعۃ" کے مقابلہ مین جو نمائشی اور مصنوعی "انتخاب" ایجاد کر لیا ہے وہ بہت کارآمد شی ہے

"انسان اپنے کو جو کچھ بنانا چاہے بنا سکتا ہے" اس مقولہ کیساتھ نٹشے نے جمعیت کو اس امر کی طرف رغبت دلائی ہے کہ موجودہ زمانہ کے پُر خطر اور مایوس کن مدارج زندگی کو اس طرح مرتب اور منتظم کیا جائے کہ وہ انجام کار ثابت ہون، نٹشے نے تہذیب و تمدن کی ترقی کیلئے منفیانہ پہلو اختیار کیا یعنی یہ کہ کمزورون اور اپاہجون کو بالکل نیست و نابود کر دینا چاہیئے اور بعض لوگون کو (مثلاً مجرمین اور وہ مریض جنکا خون خراب ہو گیا ہو) اولاد پیدا کرنے کا موقع نہین دینا چاہیئے، ان دونون تحریکون کا نفاذ بعض امریکن ریاستون مین قانون کے ذریعہ سے ہو چکا ہے، نٹشے نے تمدن کی راہ مین کوئی ایجابی کوشش نہین کی اور وہ کر بھی نہین سکتا تھا، بہرحال مناکحت کے متعلق اُس نے جو چند تجاویز پیش کی ہین، وہ فائدہ سے خالی نہین، "فوق البشر" کی تحریک حیات انسانی کا اعلیٰ نمونہ ہونے کی حیثیت سے تمدن کی ایجابی کوششون مین محسوب ہو سکتی ہے لیکن چونکہ اس نے اس تحریک کے متعلق تفصیلی حالات نہین بتائے ہین اسلئے عملی طور پر یہ کارآمد نہین ہو سکتی ہرچند کہ اس کا تصور خوش آئند معلوم ہو،

لفظ "ابرمنش" (یا "سپرمین" بمعنی "فوق البشر") اوّل اوّل ۱۶۸۸ء مین ایک مذہبی پکچر مین مستعمل ہوا، نٹشے نے شاید یہ لفظ گیٹے سے اخذ کیا، مشہور و معروف فلسفی ای، جی۔ ڈہرنگ[1]، اپنی کتاب "قدر حیات" مطبوعہ ۱۸۷۵ء مین لکھتا ہے کہ ارتقا، کا اقتضاء یہ ہے کہ انسان ہمیشہ بہتر صورت مین منتقل ہوتا رہے، اغلب یہ ہے کہ نٹشے کی تحریک "فوق البشر" اسی کتاب سے ماخوذ ہے؛

بعض اوقات نٹشے کو خیال ہوتا تھا کہ اعلیٰ درجہ کے باکمال اشخاص جو وقتاً فوقتاً عالم وجود مین آجاتے ہین، وہ قدرت کا ایک ناگہانی کرشمہ ہوتا ہے، اس خیال کی جھلک "فوق البشر" کے مفہوم مین بھی نمایان ہے، بہرکیف عموماً اس کا اعتقاد یہ تھا کہ انسانی ترقی بتدریج ہوتی ہے، چونکہ "فوق البشر" کے ظہور مین ابھی ایک عرصۂ دراز درکار ہے، اسلیئے وہ چند درمیانی مدارج پیش کرتا ہے، جنکا خلاصہ یہ ہے:-

"موجودہ نسلِ انسانی سے ایک زبردست دل و دماغ والی امارت پسند جماعت پیدا ہونے والی ہے جو یورپ کے عوام پر حکومت کرے گی، اس جماعت سے ایک خاص یورپین قوم نمودار ہوگی جو سربرآوردہ (ہائیرمین) کہلائے گی، اس قوم سے ایک نئی "صنف" پیدا ہوگی جو "فوق البشر" (سپرمین) کے نام سے موسوم ہوگی"

نٹشے کہتا ہے کہ ہمین ایک صنف سے دوسری اعلیٰ صنف کی طرف بڑھنے کی کوشش کرنا چاہیئے"

علوم مادی اور جسم انسانی "عرصہ سے دنیا پاگل خانہ بنی ہوئی ہے، خوش قسمتی ہے کہ اب تمام چیزین

---

[1] E. G. Duehring (۱۸۳۳ء، ۱۹۰۱ء) جرمنی کا ایک مشہور فلسفی تھا، اس کا فلسفہ "فلسفۂ حقیقت" تھا، وہ تصوریت اور ہر اس مسلک کا مخالف تھا جو حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے،

سدھر رہی ہین، مگر افسوس یہ ہے کہ انسان اب تک متعصب، احمق اور خود غرض بنا ہوا ہے، انسان دنیا و فیھا پر فلسفیانہ نظر نہین ڈالتا، وہ اپنی مختصر زندگی تک اپنی ساری کوششون کو محدود کرنا چاہتا ہے، وہ ان اشیاء کی تعمیر کی کوشش نہین کرتا جو صدیون اس کے بعد قائم رہین، وہ درخت لگا کر خود ہی اس کا پھل کھانا چاہتا ہے، وہ اُن درختون کو اُگانا نہین چاہتا جنکے لیے صدیون کی محنت و مشقّت درکار ہو، اور جنسے آنیوالی نسلین عرصۂ دراز تک متمتع ہون آجکل انسان روز بروز تنگ خیال ہوتا جاتا ہے جسکی وجہ صرف خود غرضی اور نفسانیت ہے، لوگ ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرتے ہین ہمدردی، خندہ پیشانی اور ظاہر داری کیساتھ پیش آتے ہین لیکن کسی کو نصب العین کی پرواہ نہین ہوتی، ہمین اب ایسے اشخاص کی ضرورت ہے جو اتفاق و قسمت پر اعتقاد نہ رکھین بلکہ دنیا کو اپنی مرضی پر چلائین"

"آج صرف علوم مادی (یعنی وہ علوم جنکا تعلق ہمارے تجربات و مشاہدات سے ہے) کامیاب ہون گے، فلسفہ، دینیات، نفسیات، علمیات، منطق، ریاضی وغیرہ، دراصل سائنس نہین ہین، کیونکہ ان مین لایعنی امور پر بحث ہوتی ہے اور نفس حقیقت پر روشنی نہین پڑتی، عہد حاضر مین ہمارے تمام توقعات علوم مادی خاصکر علم حیات سے وابستہ ہین، "عضویاتی عمل" مین بھی عقل و منطق کو بہت زیادہ دخل ہے کیونکہ ان سے ہمین اشیائے خوردنی کے ہضم کرنے کی ترکیب معلوم ہوتی ہے"

"مین مسئلہ "وجود باری" سے بڑھکر مسائلٔ "بالیدگی جسم" کے حل کرنے کا مشتاق ہون، اور اسی پر افراد انسانی کی نجات کا بہت کچھ دار مدار ہے، مین ہمہ تن جسم ہون اور کچھ نہین، روح بھی جسم کا ایک جزو ہے، بھائیو! تمھارے خیالات و احساسات کی تہ مین ایک زبردست حاکم اور ایک نامعلوم فلسفی مضمر ہے جسے "نفس" (سلف) کہا جاتا ہے، یہ تمھارے جسم مین رہتا ہے،

بلکہ یہ تمہارا جسم ہی ہے"

مندرجۂ بالا اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ نٹشے کو عضویات پر بہت زیادہ بھروسہ تھا، اس کا خیال تھا کہ جس شے کو ہم "جسم" یا "گوشت" سے تعبیر کرتے ہین وہی ہمارے لیے نہایت ضروری اور اہم ہے، بقیہ تمام چیزین اسی کے لواحقات ہین، اسپنسر کا بھی قول تھا کہ زندگی کی کامیابی کا پہلا زینہ "اچھا حیوان ہونا" ہے۔ اور اچھے حیوانون کی قوم ہونا قومی خوشحالی کا دیباچۂ زرین ہے۔ نٹشے کا منشا یہ ہے کہ ہمین اس طرح زندگی بسر کرنی چاہیئے کہ برابر ترقی کرتے رہین، اور اسی طرز زندگی کے لیے وہ "فوق البشر" کی تحریک کو صحیح عمل قرار دیتا ہے،

فوق البشر کا پیغام عمل | "مین تمہین "فوق البشر" ہونا سکھاتا ہون، ہر شخص کو انسان کی سطح عام سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا چاہیئے، تم نے آخر اس راہ مین کونسا قدم اٹھایا؟ اب تک تمام لوگون نے اپنی اپنی حیثیتون سے زیادہ کام کئے اور تم اس بہتے ہوئے پانی مین روڑا اٹکانا چاہتے ہو، تم ترقی معکوس کرکے بہائم کی صف مین جانا چاہتے ہو، لنگور کی حقیقت انسان کے مقابلہ مین کیا ہے؟ صرف دیوار قہقہہ یا بے شرمی کا پتلا، بعینہ یہی حقیقت انسان کی "فوق البشر" کے مقابلہ مین ہوگی"

"دنیا درحقیقت عبارت ہے "فوق البشر" سے تمہین بھی سمجھنا چاہیئے کہ دنیا صرف "فوق البشر" کا نام ہے، بھائیو! مین تمہین تاکید کرتا ہون کہ دنیا کے وفادار بنے رہو، ان لوگون کی باتون پر کان نہ دھراکرو جو صرف توقعات دلاتے ہین، ایسے لوگ "سم قاتل" ہین خواہ ان کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو، "انسان" ایک رسی ہے، جو "حیوان" اور "فوق البشر" کے مابین پھیلی ہوئی ہے اور جس کے نیچے ایک عمیق غار ہے، اس غار کو پار کرنا یا اس راہ مین چلنا نہایت پر خطر ہے"

"مین اس شخص کی محبت اور پیار کرتا ہون جسکی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ "فوق البشر"

عالمِ وجود مین آجائے، مین اس شخص سے محبت رکھتا ہون جو "فوق البشر" کی آمد کے لیے ہر طرح کا سامان درست اور دنیا کو اس کے استقبال کے لیے آمادہ رکھے، مین بجلی کا فرستادہ ہون اور بارش کی ایک وزنی بوند، یہ بجلی ہی در اصل فوق البشر ہے،

زندگی کیا ہے؟ | نٹشے کے نظریہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے یہ مناسب ہے کہ پہلے نفس زندگی کے متعلق اس کے خیالات کو درج کیا جائے، اس نے "زندگی" کی متعدد تشریحین کی ہین، اور وہ حسب ذیل ہین:-

۱- "زندگی" ان متعدد اجزار سے عبارت ہے جو اصولِ بالیدگی کے مطابق ایک رشتہ مین منسلک ہین،

۲- "زندگی" اس دیرپا صورت یا ہئیت کا نام ہے جو مختلف قویٰ کے باہمی تنازع کے بعد باقی رہ جاتی ہے،

۳- اندرونی تعلقات اور بیرونی تعلقات کے مابین مطابقت و موافقت پیدا کرنے کی پیہم اور مسلسل کوششون کا نام "زندگی" نہین ہے، بلکہ اس اندرونی قوت کا نام ہے جو تمام خارجی امور کو اپنے قبضۂ اقتدار مین کرلیتی ہے اور جسکو "عزم للقوۃ" کہا جاتا ہے،

۴- تصرف و استعمال، تشدد و سخت گیری اور بوسیدہ اشیار کی بیخ کنی کا نام زندگی ہے،

۵- زندگی بذاتِ خود نہ نیک ہے نہ بد،

جس طرح "زندگی" کی اور تعریفین ناقص اور غیر مکمل ہین اسی طرح نٹشے کی مندرجۂ بالا تشریحین بھی ناکافی اور ناقص ہین، جسم کی ساخت اور اس کے اندرونی عمل کے متعلق ہمارے معلومات اس قدر محدود ہین کہ زندگی کی جامع و مانع تعریف کرنی مشکل ہے، اور دون کی طرح نٹشے کی تشریحین صرف پردہ کو سرکا دیتی ہین، اور بس، بہرحال ان مین صداقت کا بھی جزو

شامل ہے،

دورو تسلسل | "فوق البشر" اور "تمدن" کے متعلق نٹشے کے خیالات ظاہر کرنے کے قبل یہ ضروری ہے کہ پہلے "دورو تسلسل" پر روشنی ڈالی جائے۔ نٹشے کا خیال ہے کہ "دنیا مین ایسی قوتین کارفرما ہین جنکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، دنیا کوئی مبہم چیز نہین ہے اور نہ اس کا سلسلہ غیر متناہی ہے، دنیا کی چیزین متناہی ہین جو محدود مکانات مین جاگزین ہین، دنیا کی مختلف قوتون کی مثال سمندر کی لہرون کی ہے جو ایک طرف سے اٹھتی اور بڑھتی ہین اور دوسری طرف گرتی اور فنا ہو جاتی ہین، اس جزر و مد اور چڑھاؤ اتار کا سلسلہ نامعلوم زمانہ تک جاری رہیگا" یہ ہیرکلیٹس کے تتبع کا اثر تھا کہ نٹشے کے دل مین "دورو تسلسل" کا خیال آیا، وہ اس تصور کو جدید تصور سمجھتا تھا، بلکہ اس کو اس "انکشاف جدید" پر ناز بھی تھا، حالانکہ یہ کوئی نیا خیال نہین ہے، قدیم اقوام (اہل بابل اور اہل مصر) بھی تسلسل کی قائل تھین، بہرحال نٹشے کے نظریہ کے مطابق دنیا متناہی اشیاء کا نام ہے اور دنیا مین صرف متناہی قوتین کام کرتی ہین، اور اسلیے دنیا کوئی غیر معین یا مبہم شے نہین ہے دنیا کے نظامات ترکیبی محدود اور متناہی ہین، دنیا یکے بعد دیگرے ان تمام نظامات مین جلوہ گر ہوگی، اور اس کے بعد از سر نو اعادہ ہوگا، یہ اعادہ ممکن ہے کہ بے شمار اور انگنت ہو اور پھر چونکہ ایک نظام ترکیبی اور دوسرے نظام ترکیبی کے درمیان دنیا ہر ممکن نظام ترکیبی کو اختیار کر سکتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تمام نظامات ایک ہی قاعدہ اور اصول سے اختیار کئے جائین گے، اسلئے ایک دائرہ اور حلقہ کی صورت مین دنیا کی وہی ہئیت کذائی بار بار نظر آئے گی، یہ سلسلہ غیر متناہی زمانہ تک جاری رہے گا، پس دنیا کی چیزین متناہی ہین لیکن ان کی تکرار دائمی اور ان کا اعادہ غیر متناہی ہے، دنیا کا یہ تصور کوئی مادی تصور نہین، دنیا کا اب تک "خط استواء" تک نہ پہنچنا تسلسل کو ثابت کرتا ہے، اگر یہ تصور مادی ہوتا تو

ایک ہی قسم کی چیزون کی تکرار بیشمار اوران گنت نہ ہوتی، اگر دنیا کی انتہا ہوتی تو اب تک وہ انتہا آچکی ہوتی، یہ امر کہ دنیا کی انتہا اب تک نہین آئی ہے بذات خود ثابت کرتا ہے کہ مادّیت ایک ناقص مسلک ہے،

نٹشے کی بہن (ایلیزبتھ) اس امر کے خلاف تھی کہ اس کا تصور "دور و تسلسل" فیثاغورس[1] کے "تصورِ دنیا" کے مماثل ہے، بہرحال اس کا یہ خیال نہایت پیچیدہ اور مشکل معلوم ہوتا ہی کیونکہ اگر ہم یہ فرض کرلین کہ دنیا کی چیزین غیر متناہی ہین اور زمانہ بھی غیر متناہی ہے تو پھر "دور و تسلسل" کی نوبت نہین آئے گی اور اگر ہم نٹشے کی طرح یہ تسلیم کرلین کہ دنیا کی چیزین متناہی ہین مگر زمانہ غیر متناہی ہے تو پھر ہر ریاضی دان بہ آسانی کہسکتا ہے کہ "دور و تسلسل" کا خیال غلط ہوجاتا ہے، اس کے مقابلہ مین فریڈرک ساڈی اپنی کتاب مین لکھتا ہے کہ "یہ خیال کہ دنیا کا ارتقا، بغیر ابتدا و انتہا کے جاری ہے اور ایک شے کی کمی دوسری شے مین پوری ہوجاتی ہے عہد حاضر مین اسی طرح صحیح ہوسکتا ہے جس طرح اگلے زمانے کا یہ خیال کہ ہمارے تجربات مین جو قوتین کارآمد معلوم ہوتی ہین وہی ہر جگہ کارفرما ہین"

---

[1] Pythagoras قدیم یونان کا مشہور و معروف فلسفی تھا، غالباً ۵۸۲ ق م مین پیدا ہوا، اس نے امراء و شرفاء کا ایک حلقہ قائم کیا جو اسکی تمام ہدایات پر عمل پیرا ہوتا تھا، اس حلقہ کے تمام ارکان اخوان الصفا سمجھے جاتے تھے، رفتہ رفتہ اس جماعت نے اتنا زور پکڑا کہ حکومت مخالفت پر آمادہ ہوئی، آخر مجبور ہوکر فیثاغورس گھر چھوڑکر دوسرے ملک مین چلا گیا اور وہین جلاوطنی کی حالت مین انتقال کیا وہ تناسخ کا قائل تھا، اس کے معتقدین کا خیال تھا کہ وہ مختلف پیکرون مین جلوہ گر ہونے کے بعد موجودہ صورت مین نمودار ہوا، اس کی زندگی سادگی و پاکیزگی کا مجموعہ تھی، وہ برابر نیکی کے اختیار کرنے اور بدی سے احتراز کرنے کی تعلیم دیتا تھا، موت کے بعد لوگ اسے دیوتا سمجھنے لگے تھے،

نٹشے اس عجیب و غریب تصور پر کیون قائم رہا؟ جواب یہ ہے کہ وہ عوام کو قسمت و تقدیر پر اعتماد رکھنے کی تعلیم دیتا تھا، اس کا خیال تھا کہ جن لوگون کی زندگی انتہائی درجہ تلخ ہے، ان کو تقدیر سے بہت کچھ تسکین و تسلی ہو جاتی ہے، نیز یہ کہ یہ تصور ان سر برآوردہ اشخاص (ہائیر مین) کی اخلاقی جرأت کے پرکھنے کی کسوٹی ہے جو نہ صرف دنیا سے احتراز نہین کرینگے بلکہ اس کے خوانِ نعمت سے بار بار لطف اندوز ہونگے اور دوبارہ زندگی کی تمنا کرینگے،

نٹشے نے زندگی کی جو تشریح کی ہے وہ ان لوگون کے لیے مہیج عمل ہے جو انسان کی آئندہ عظمت اور "فوق البشر" کا پر لطف خواب دیکھ رہے ہین، کیونکہ جب زندگی کمزورون پر غلبہ حاصل کرنے اور عوائق و موانع کی روک تھام کرنے کا نام ہے تو لوگ اپنے زورِ بازو سے فطرت کو زیر نگین کر لینگے اور ان تمام اشیا کا استیصال کر دینگے جو حیات انسانی کی ترقی مین سدِ راہ ہین، لیکن نٹشے کا تصور "دور و تسلسل" ان خواب دیکھنے والون کے لیے سوہانِ روح سے کم نہین ہے، کیونکہ جب دنیا کی کوئی حد و انتہا نہین ہے تو پھر "فوق البشر" کی کیا ضرورت ہے؟ جب دنیا صرف "جمالی شئے" ٹھہری تو "نصب العین" یا "منزل مقصود" کا سوال ہی پیش نہین ہوتا (نٹشے "دنیا" کو صرف "جمالی شئے" سمجھتا تھا) حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اگر انسان کی آنکھون کے سامنے وعدہ، اُمید اور انجام کا خیال نہ ہو تو وہ دنیا کے لطیف سے لطیف کامون مین بھی زیادہ ٹک نہین سکتا،

بہرکیف یہ سمجھنا (جیسا کہ کبھی کبھی خود نٹشے سمجھتا تھا) سخت غلطی ہے کہ اس کے فلسفہ کا بنیادی اصول "دور و تسلسل" کا مہمل خیال ہے، اس کے تمام دعوے فراموش ہو سکتے ہین مگر "فوق البشر" کا تصور بہت دنون تک باقی رہے گا، "دور و تسلسل" کا خیال اوّل اوّل اس کے دل مین ۱۸۸۱ء مین ہوا اور "فوق البشر" کا تصور اس سے بہت پہلے

ہو چکا تھا، بلکہ اسکی ابتدائی تصنیفات مین یہ جھلک بھی پائی جاتی ہے۔ اس موقع پر بہ حیثیت خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے کہ خود نٹشے نے ایک دفعہ یہ رائے پیش کی کہ "دورِ تسلسل" کا خیال فتنۂ وشر کی بدترین صورت ہے"

نصب العین کی ضرورت حیات انسانی کے نصب العین پر بحث کرتے ہوئے نٹشے لکھتا ہے

"عہد وسطےٰ مین مذہب کی عالمگیر حکمرانی کے سامنے دنیا کی تمام قوتین دب گئی تھین، بلکہ مذہب نے اپنی ہمہ گیری سے ان کو اپنا کر لیا تھا، لیکن جب مذہب کا شیرازہ بکھر گیا اور اس کا اقتدار گھٹ گیا تو پھر یہ دبی ہوئی قوتین اُبھرین اور ایک دوسرے سے برسر پیکار ہوئین، اب مذہب کی مسند پر "ارتقاء" متمکن ہے، ارتقار کی غرض وغایت مسرت وخوشی نہین بلکہ ترقی اور صرف ترقی ہے، اگر انسان کا کوئی متفقہ اور مشترکہ نصب العین ہوتا تو ہم یہ کام یا وہ کام کرنے کی تجویز پیش کر سکتے تھے، لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ اب تک کوئی متفقہ نصب العین نہین ہے، اگر تمام بنی آدم متحد ہو کر کوئی نصب العین متعین کر لین تو وہ قدرتی طور پر قوانینِ اخلاق کی پابندی کو اپنے اوپر فرض سمجھین گے، یہی خود ساختہ نصب العین فوق البشر ہے جو تمدن وترقی کی آخری منزل ہے"

فوق البشر کی تشریح "فوق البشر" کے متعلق نٹشے کے خیالات وقتاً فوقتاً بدلتے رہے، شروع مین اُسے یقین تھا کہ صرف ایک شخص اس کا مصداق بن سکتا ہے، اسکی اکثر تحریرون سے مترشح ہوتا ہے کہ نپولین اس شرف کا مستحق تھا، نٹشے عمر بھر شخصیت پرستی کرتا رہا، کبھی وہ شخص کو "متعدد قوتون کا مجموعہ" اور "دنیا کی مشکلات کا حل کرنے والا" بتاتا تھا اور کبھی وا گنر کو "بنی آدم کا معلم اعظم" سمجھتا تھا۔

۱۸۷۴ء مین نٹشے نے "فوق البشر" کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا تھا۔

"آج جبکہ دنیا خود غرض ہو گئی ہے، لوگ خطا بین اور عیب چین ہو گئے ہین اور افراد انسانی قعرِ مذلت مین جا گرے ہین، جدید "نمونۂ انسانی" کے قیام کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ کیفیت یہ ہے عہد حاضر مین ایسے تین نمونے موجود ہین جو بہت دنون تک آنے والی نسلون کے لیے دلیلِ راہ اور مشعلِ ہدایت ہونگے، یہ تین نمونے روسو، گیٹے اور شوپنہار ہین، اول الذکر مین جوش وحرارت بہت زیادہ ہے اور عوام کو قابو مین رکھنے کی قدرت ہے، ثانی الذکر ان چند اشخاص کے لیے دستور العمل کا کام دیسکتا ہے جو رئیسانہ انداز سے رہتے ہین اور جن سے عوام کو بدظنی ہے، آخر الذکر اپنے متبعین سے سخت محنت ومشقت کا طالب ہے، اسلیے وہ صرف محنتی اور جفاکش اشخاص کے لیے مشعلِ راہ بن سکتا ہے اور ان لوگون کے لیے نہین جو سوچتے رہتے ہین اور کرتے کچھ بھی نہین"،

اوپر کے آخری جملہ سے صاف ظاہر ہے کہ نٹشے ان تینون "نمونۂ انسانی" مین شوپنہار کو بہتر سمجھتا تھا، اس نے اپنے نامور ہیرو "زردشت" کے جو خصائل پیش کئے ہین وہ شوپنہار کے خصائل سے بہت مشابہ ہین،

اس امر کی کوشش کرنا کہ "فوق البشر" سے نٹشے کی کیا مراد تھی بالکل لاحاصل ہے جس طرح ایک اشتراکی اپنے مسلک کی کماحقہ تشریح نہین کر سکتا اسی طرح مخالف اشتراکیہ یعنی ریاست پسند

---

[1] Rousseau روسو (۱۷۱۲ء - ۱۷۷۸ء) جنیوا کا ایک مشہور انشاپرداز اور ناول نگار تھا، ایک گھڑی ساز کا لڑکا تھا، ۱۷۵۰ء مین اس نے ایک زبردست مضمون لکھا جسکا ماحصل یہ تھا کہ موجودہ تہذیب وتمدن "اخلاقیت" سے بالکل معرّی ہے، اس سے اسکی شہرت ہو گئی، اس نے زندگی نہایت غربت وافلاس مین گذاری، اگرچہ ۱۷۴۳ء مین وہ ایک سال کے لیے وینس کے فرانسیسی سفیر کا سکرٹری رہا تاہم عموماً اس کی کتابین صرف اس کا ذریعۂ معاش تھین، موسیقی پر بھی اس نے ایک کتاب لکھی،

نٹشے بھی اپنے مسلک کی تفصیل نہین کرسکتا، وہ صرف اتنا کہتا ہے کہ "ہمارا نصب العین "نوعِ انسان" نہین بلکہ اسکی اعلیٰ صنف (یعنی فوق البشر) ہے، نٹشے قدرتی طور پر اشتراکیت کی مخالفت کرتا ہے اور ہراس تحریک کو قابلِ نفرت سمجھتا ہے جو افرادِ انسانی کو ساکن اور منجمد بنادے اور جو انسانی قویٰ مین ضعف پیدا کردے اسے یقین تھا کہ اشتراکیت کے خلاف ایک اور تحریک زور شور سے پھیل رہی ہے جسکا مقصد یہ ہے کہ، نوعِ انسان کی ایک بہترین اور قوی ترین صنف عالمِ وجود مین آجائے جسکی خصوصیات و شرائط عامۃ الناس سے بالاتر ہون" اس صنف کو وہ "فوق البشر" سے تعبیر کرتا ہے،

اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ نٹشے پہلے کارلائل اور ایمرسن کی طرح "فوق البشر" سے "اعلیٰ شخصیت" مراد لیتا تھا، اور بعدازان "اعلیٰ صنف" مراد لینے لگا، جب تک نٹشے پر تصوریت اور رومانیات کا رنگ غالب رہا اُسے "اعلیٰ شخصیت" پر ایمان رہا اور جب وہ عملیات کے میدان مین آیا اور رے دے کے صرف علمِ حیات کو اپنا مرجع قرار دیا تو اس کے دل مین "اعلیٰ صنف" کا خیال پیدا ہوا، اب اُسے نپولین جیسی زبردست شخصیت کی ضرورت نہ تھی بلکہ نوعِ انسان کی "بہترین صنف" کی جستجو منظور تھی،

اگرچہ نٹشے کا خیال تھا کہ "فوق البشر" مسیحیت اور شر و فساد کے استیصال کے لیے ضرور عالمِ وجود مین آئے گا لیکن دنیا کا رنگ دیکھکر کبھی کبھی وہ شبہہ بھی کرنے لگتا، اس شبہہ کو وہ یون بیان کرتا ہے "لوگون کو نجومیون کے کہنے پر اعتماد ہوگیا ہے کہ زندگی صرف وقتی اور فانی شے ہے اور دنیوی زندگی بالکل غیر اہم ہے، زمین ستارون کی طرح دو معدوم چیزون کے درمیان ایک حد فاصل کا نام ہے اور اسلیے ہر شخص اپنے آپ کو ابتدا و انتہا سب کچھ سمجھنے لگا ہے" نٹشے نوعِ انسان کو ترقی دینے کا ادعا نہین کرتا اور نہ وہ جدید

دعویٰ پیش کرتا ہے، اس کی غرض صرف یہ تھی کہ موجودہ اعتقادات کی بیخکنی ہو جائے،

"فوق البشر کا مذہبی پہلو" اگر "فوق البشر" کی توضیح و تشریح کیجائے تو پھر یہ ایک بیکار شے ہو جائیگی،

لیکن اگر اس پر ایک عام اور مجمل نظر ڈالی جائے تو مستقبل کے لیے ایک کار آمد چیز ثابت

ہو گی، کیونکہ اسکی وجہ سے دینیات اور اخلاقیات کی عظیم الشان توقعات پوری ہو سکتی ہین

اور حیات انسانی کی اصلاح و ترقی ہو سکتی ہے، نٹشے اپنی تحریک کے ذریعہ سے لوگون کو تعلیم دیتا ہے

کہ "کمزورون اور ناکارون کا ساتھ نہ دو اور ہر اس کام مین حصہ لو جو انسان کی طاقت و عظمت

کو مستحکم کرتا ہے" پس "فوق البشر" کی کامیابی "قوت" مین مضمر ہے، وہ قناعت و صبر نہین چاہتا

بلکہ قوت اور صرف قوت، وہ ذلیل صلح پر جنگ کو ترجیح دیتا ہے،

اگرچہ "فوق البشر" کا تصور مبہم اور غیر متعین ہے تاہم حوصلہ افزا اور مہیّج عمل ہے، جب ہمارے

معاصرین کا اعتقاد ہے کہ زندگی اور جدوجہد دنیا کی زبردست چیزین ہین اور جب یوکن[1]

تعلیم دیتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کا مقصد نہایت اعلیٰ و ارفع قرار دین تاکہ روحانی زندگی مین ہم

حصہ دار ہو سکین، تو پھر نٹشے کی تحریک سے بہتر کوئی دستور العمل نہین، وہ ہمین تعلیم دیتا ہے کہ

ہم اپنا ذاتی مفاد اس جماعت کے لیے قربان کر دین جو تمام جماعہائے انسانی سے افضل ہے،

نسل انسانی کو خوشحال اور ترقی یافتہ بنانے کے لیے اس سے بڑھکر پاک اور بے لوث زندگی

اور کیا ہو سکتی ہے؟" فوق البشر کی غرض و غایت یہ ہے کہ موجودہ نسل کو بے غرضانہ اور بے نفسانہ

---

[1] R.C. Eucken جرمنی کا ایک فلسفی مورخ اور ماہر نسانیات تھا، اس کا فطری رجحان یہ تھا کہ مذہب کو فلسفیانہ رنگ مین اور فلسفہ کو مذہبی رنگ مین رنگ دینا چاہیے اور دونون کی مغائرت و اجنبیت کو اختلاط وارتباط سے بدل دینا چاہیے، ۱۹۰۸ء مین اسے "شعبۂ ادبیات" کا نوبل انعام ملا، اس کا فلسفہ "فلسفۂ عمل" تھا جو [illegible] (یعنی فلسفہ معروف) کے نام سے موسوم ہے، اُسنے فلسفہ پر متعدد کتابین لکھین،

اخلاق کی تعلیم دی جائے تاکہ وہ ایسے نصب العین کے لیے سرگرم کار ہو جسکی تکمیل اس کے حین حیات نہین ہو سکتی، بہرحال نٹشے کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ وہ "فوق البشر" کے ذریعہ سے ایک کثیر تعداد کو ذاتی مفاد ترک کر دینے اور انتہائی ایثار و قربانی کی ترغیب دیتا ہے،

نٹشے کی اصلی خواہش یہ تھی کہ ڈارون کا فلسفہ مسیحیت پر پوری طرح غالب آجائے لیکن اوس نے "نظریہ ارتقاء" مین ترکِ خودی اور ایثار کا بھی اضافہ کر دیا، یہ اضافہ درحقیقت مسیحیت کے ہمہ گیر اثر کا نتیجہ تھا، چنانچہ ہم "فوق البشر" کی تحریک مین مذہب کا عنصر بھی پاتے ہین،

سرفرینسس گیلٹن (بانیِ تمدنیات) لکھتا ہے کہ تمدن کو قوم کے سامنے ایک جدید مذہب کی طرح پیش کرنا چاہیئے کیونکہ اس مین اس امر کی صلاحیت ہے کہ آئندہ مذہبی قالب اختیار کر لے اور یہ بعید نہین ہے کہ آئندہ نسل انسانی کے لیے تمدن مذہب کا رکنِ رکین قرار پائے،

زردشت جس نے تیس سال کی عمر مین گھر چھوڑ کر پہاڑون کی سیر کرنی شروع کی اور جس نے دس برس خلوت و تنہائی مین گذارے، پادریون کے متعلق لکھتا ہے "مجھ کو پادریون سے رگ و خون کا تعلق ہے اور میری تمنا ہے کہ اس کی وجہ سے میری عزت افزائی ہو، تمھین نجات دہندگان سے بہتر اشخاص کی ضرورت ہوگی اگر تمھین آزادی کی شاہراہ معلوم ہو جائے، اب تک "فوق البشر" کا ظہور نہین ہوا ہے"!

نٹشے سرفرینسس گیلٹن کا ہمعصر اور اسکی مانند تمدن کا علمبردار تھا، اسے خوب معلوم تھا، کہ دنیا فلسفی سے کہین زیادہ پیغمبر کا احترام کرتی ہے، اُسے یہ بھی خبر تھی کہ "فوق البشر" مین جو دلکشی اور اثر آفرینی پائی جاتی ہے، وہ صرف اس وجہ سے کہ اس مین مذہبیت بھی موجود ہے، وہ آخر پادری کا لڑکا تھا. اسکی خواہش تھی کہ جس طرح مذہب کی جہانگیری کے سامنے کوئی دم نہین مارتا اور

لہ صفحہ، (دیباچہ از مولف) کے حاشیہ پر دیکھو،

ہرکس وناکس اس کے اوامر ونواہی کو بے چون وچرا تسلیم کر لیتا ہے اسی طرح فلسفہ کی جہانگیری مسلّم ہو جائے اور جس طرح مذہبی لوگ خدا کی خاطر سب کچھ قربان کر دیتے ہین اور سے دے کے صرف اسی ایک سے آس رکھتے ہین اسی طرح لوگ "فوق البشر" کی خاطر سب کچھ نثار کر دین اور اسی کو اپنی تمام مساعی کا مرجع سمجھین،

نٹشے امن وامان کا دلدادہ تھا، وہ صرف پُر امن اور باضابطہ ارتقار کا قائل تھا، اچ، جی، ولس نے ایک دلچسپ ناول "جدید میکاویلی" کے نام سے لکھا ہے، اس ناول کا ہیرو آیندہ آنیوالی نسلون کو بہتر اور خوشتر بنانا چاہتا ہے اور تمدنی ضروریات اور معاشری اصلاحات کو نہایت خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہے، لیکن وہ بدنظمی اور بے قاعدگی کی وجہ سے اپنے مقصد مین ناکام رہتا ہے، اسلیئے نٹشے خوش نظمی اور امن پسندی پر بیحد زور دیتا ہے، اسکی تعلیم کا اصل الاصول جسکی جھلک اسکی تمام تصانیف مین موجود ہے یہ تھا کہ "ایک مصلح کے لیے یہ اشد ضروری ہے کہ وہ قانون وضابطہ کی پابندی کرے، ہرطرح کے آلام ومصائب خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور اسکی قوتِ ارادہ مین صبر وضبط اور تحمل وبرداشت کا عنصر شامل ہو کیونکہ جو شخص اپنے اوپر قابو نہین رکھ سکتا وہ ہر جگہ محکوم ہی ہو کر رہے گا"

تمدنیات | نٹشے پہلے تمدنیات کے لفظ سے بھی ناواقف تھا، لیکن بانیِ تمدنیات سر فرینسس گیلٹن کا نام اس کے گوش گذار ہو چکا تھا، اس نے ۱۸۸۴ء مین سر موصوف کی کتاب "ساخت انسانی کی تحقیق" پڑھی، جسمین عوام وخواص کے دماغی فرق کی تشریح ان الفاظ مین کیگئی ہے "رہنمایانِ قوم کو چھوڑ کر جمہور کے دماغ مین عموماً جمود وانقباض پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ تن تنہا کوئی کام کرنا یا اسکی ذمہ داری لینا نہین چاہتے، جب تک یہ موروثی عیب جو اسلاف کی جہالت کا نتیجہ ہے دور نہ ہو جائے، ہم صحیح معنون مین روشنضمیر اور آزاد خیال نہین کہلا سکتے" ممکن ہے

کہ نٹشے نے اس عبارت سے متأثر ہوکر افراد انسانی کی تقسیم اور عوام و خواص کے اخلاق کی تفریق کی ہو،

نٹشے نے تمدن پر بہت کچھ لکھا ہے، یہان صرف چند فقرون پر اکتفا کیا جاتا ہے

"مستقبل ہمارا ہے، ماضی ہمارا نہین ہے"

"ماضی کی اصلاح کرنا اور گئے گذرے واقعہ کو اپنی مرضی کے مطابق پھر جلوہ گر کردینا حقیقی نجات ہے"

"خلائق کو وہ راہ اختیار کرنی چاہیئے جس پر اب تک لوگ آنکھ بند کرکے چلتے آئے ہین، عام راستہ چھوڑ کر بیمارون اور کمزورون کی طرح ادھر ادھر مارے پھرنا نہ چاہیئے"

"مجھے بتاؤ کہ دنیا مین کونسی چیز سب سے بری ہے؟ کیا پست ہمتی بدترین شئی نہین ہے؟ ایک صنف سے دوسرے اعلی صنف تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے، صرف اپنی فکر کرنا اور دوسرون کی فکر نہ کرنا ایک بہت بڑا قومی حادثہ ہے"

"اگر میری ہدایات پر عمل کیا گیا تو "اتفاق" اور "بدعقلی" کی حکمرانی جو اب تک ہو رہی ہے اسکا خاتمہ ہو جائے گا"

نٹشے اس امر پر زور دیتا ہے کہ مقننون کو انفرادی عافیت چھوڑ کر اجتماعی آسائش کا خیال کرنا چاہیئے، آئندہ نسل انسانی کی اصلاح کی خاطر موجودہ نسل انسانی کی زحمتون اور کلفتون کا مطلقاً خیال نہ کرنا چاہیئے، حکام کو اپنے اختیارات بڑے بڑے کامون مین صرف کرنے چاہئین اور رحم و مروت کے ذلیل کامون مین ان کو نہ پڑنا چاہیئے، آنے والی نسلون کی محبت و عزت کا یہ مطالبہ ہے کہ ہم اپنے ہمسایون تک کا خیال نہ کرین، انسان کی عام سطح سے سبقت کرنا لازمی امر ہے،

نٹشے نے کئی مقامات مین لکھا ہے کہ زبردست ہستیون کا ظہور "ناموافق ماحول" پر مشروط ہے، یعنی زحمت کشی عظمت وجلال کا دیباچۂ زرین ہے، مصائب سے انسان کی منزلت دوبالا ہو جاتی ہے، وہیں عرصۂ دراز تک لڑ بھڑ کر آخر ایک زبردست سلطنت بنگیا پس نٹشے کی نصیحت تھی کہ "جفاکش بنو"

مجموعی حیثیت سے نٹشے لمارک کا ہمخیال تھا چنانچہ اس کا دعوی تھا کہ اکتسابی اوصاف بھی نسلاً بعد نسل منتقل ہو سکتے ہین، اسی وجہ سے وہ دولت وامارت کے فوائد اور خوبیان بیان کرتے ہوئے اپنی ماقبل تحریر (یعنی مصیبت عظمت کا پیش خیمہ ہے) کی تردید کا مرتکب ہو جاتا ہے جیسا کہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہوگا:-

"دولت کی وجہ سے قوم مین ریاست کی نبیاد پڑتی ہے، دولت ہی کی وجہ سے حسین عورتون کا انتخاب اور لائق اساتذہ کا تقرر ممکن ہے، دولت ہی کے ذریعہ سے انسان مین صفائی اور ستھرائی آتی ہے اور جسمانی ریاضت کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ دولت ہی کے ذریعہ سے انسان طرح طرح کی مصیبتون سے محفوظ رہتا ہے پس دولت وامارت وہ تمام سامان فراہم کر دیتی ہے جس سے انسان چند نسلون کے بعد شریف اور لطیف زندگی گذار سکتا ہے"

عہد حاضر کے نقطۂ نظر سے متذکرۂ بالا دعاوی کو کون تسلیم کرے گا؟

نٹشے جبلی خصائل کے منتقل ہونے پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے کہ "ہر کامل صفت وراثتہً منتقل ہوتی ہے اور جو صفت منتقل نہ ہو وہ ناقص ہے اور اسے ابتدا سمجھنا چاہیئے" جماعت یا قوم مشقت وزحمت کے بعد حسن وکمال اور دلآویزی حاصل کرتی ہے، کامیابی عموماً نسلون کی مسلسل اور پیہم کوششون کا نتیجہ ہوا کرتی ہے، اچھی چیزین عموماً قیمتی ہوتی ہین، وہ شخص جسمین

صفات حمیدہ خود سے آئین اور شخص جو صفات حمیدہ کو حاصل کرے دونون برابر نہین ہو سکتے اگر کوئی شخص اپنی آبائی شرافت و نجابت پر فخر کرتا ہے تو یہ فخر بجا ہے، اسلاف کی نجابت اخلاف کی شرافت پر دال ہے، اگر اسلاف مین ایک رکن بھی ناقص ہو تو پھر اخلاف کی شرافت مین بٹہ لگجاتا ہے

اگرچہ نٹشے نے ڈارون پر کئی جگہ حملے کیے ہین تاہم وہ اس بات مین اس کا ہمخیال ہے کہ اشیار کی ظاہری حالت سے زیادہ انکی اندرونی حقیقت پر نظر رکھنی چاہیئے، کیونکہ اعلیٰ تہذیب یا اعلیٰ تعلیم کے ذریعہ سے انسان بے شبہہ اپنے خاندان کی پردہ پوشی کرسکتا ہے لیکن یہ ناممکن ہے کہ اسکی فطرت مین وہ خصائل و عادات نہ ہون جو اس کے آبا و اجداد مین تھے اگرچہ اس کے ظاہری حالات سے کچھ اور ہی مترشح ہوتا ہو،

نٹشے نے ڈارون کے نظریۂ "تنازع للبقا" کے مقابلہ مین اپنا جدید نظریہ "عزم للقوۃ" پیش کیا اس کا خیال تھا کہ نفس "بقا" کے لیے شاذ و نادر تنازع ہوتا ہے، کیونکہ ہر شخص کو قحط یا محتاجی سے واسطہ نہین پڑتا بلکہ اکثر لوگ دولت، عیش اور بے جا اسراف مین سرشار نظر آتے ہین،

نٹشے ایک جگہ لکھتا ہے کہ "وراثت" اور "ماحول" دونون الفاظ بے معنی ہین جنسے نفس مسئلہ پر روشنی نہین پڑتی، اصل سوال تو یہ ہے کہ ایک شے ابتدا مین ایک خاص مصرف مین کیون لائی گئی اور دوسرے مصرف مین کیون نہین لائی گئی، یہ عقدہ آج بھی اسی طرح لاینحل ہے جس طرح پہلے تھا،

مناکحت تمدّن پر نٹشے نے جو کچھ لکھا ہے، اس مین سب سے زیادہ کارآمد حصہ مناکحت سے متعلق ہے، نٹشے کو عموماً صنف نازک کا دشمن کہا جاتا ہے اور اس کے ثبوت مین زردشت کا یہ جملہ پیش کیا جاتا ہے "کیا تم عورت کے پاس جا رہے ہو؟ خیر اپنا چابک نہ بھولنا" لیکن

یہی نٹشے دوسری جگہ لکھتا ہے "عورتون کے ساتھ مرد کبھی واجبی سلوک نہین کر سکتے، کامل مرد سے بڑھکر کامل عورت نوعِ آدم کے لیے نمونۂ عمل بن سکتی ہے، مگر ایسی عورتین کمیاب ہین"

نٹشے لکھتا ہے کہ آجکل شادی کا دار و مدار زیادہ تر اتفاق پر ہے، متمدن اور ترقی یافتہ لوگون نے مناکحت کی بنیاد "اتفاق" پر قائم کرکے اپنی عقلین کند کردی ہین، آجکل شادی کے معنی یہ ہین کہ سوسائٹی کی طرف سے دو افراد انسانی کو عیش کرنے اور خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دیدیجائے، اور بس، اگرچہ اس کے لیے جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ معاشری نظم و نسق مقصود ہے، آجکل کی شادی مین الفت و محبت کا نام بھی نہین پایا جاتا، اگلے زمانہ کے شرفار کا نکاح سے یہ مقصود تھا کہ برسراقتدار اشخاص کی جماعت نسلاً بعد نسلٍ باقی رہے، انسان کو اس وقت تک شادی نہین کرنی چاہیے جبتک اس کو یقین نہ ہو کہ مین تندرست ہون، شریف النسب ہون اور اولاد کا مستحق ہون، نٹشے لکھتا ہے "تم شادی کرکے اپنے آپ سے ایک نئی ہستی کی بنیاد ڈالو گے، اس کام کے لیے اول اول تمھین اپنے جسم اور روح کو درست کرنا چاہیئے کیونکہ تمھاری ذاتی خصوصیات متعدد نسلون تک منتقل ہوتی رہین گی، اگر تم نے ایسا کیا تو تمھاری شادی مسعود و محمود ہوگی، میرے نزدیک نکاح کے معنی یہ ہین کہ زن و شوہر اپنے سے بہتر اور قوی تر اولاد پیدا کرنے کا عزم مصمم کرین"

نٹشے کا خیال ہے کہ نکاح کے وقت لوگون کو اپنے گریبان مین منہ ڈالکر یہ سوچنا چاہیئے کہ آیا ہم مین رفاقت اور دوستی کا مادہ ہے یا نہین؟ کیونکہ شادی آخر کیا شے ہے؟ شادی نام ہے الفت و محبت کا، پس ہر امیدوار نکاح کو اپنے نفس سے یہ سوال کرنا چاہیئے کہ "کیا فلان عورت کے ساتھ تم اپنا وقت مرتے دم تک خوشی سے گذار دوگے؟" اس کے علاوہ اور تمام شرائط و قیود ہیچ ہین، نکاح کی بنا رفاقت پر قائم ہے،

وقتی نکاح | مرڈیتھ[1] (جو ایک سرگرم ماہرِ تمدنیات تھا اور جو مستقبل پر زبردست اعتماد رکھتا تھا) اور
بعض امریکن مقننون کی طرح نٹشے کا بھی خیال تھا کہ شروع مین وقتی اور آزمائشی نکاح ہونا چاہیئے
اگر زن و شو کے اختلافِ مزاج کے باوجود ان کے تعلقات کو زبردستی باقی رکھا گیا تو پھر دونون
کی مٹی پلید ہو جائے گی، اور دونون ایک دوسرے کو نفرت و انتقام کی نگاہ سے دیکھین گے،
میان بیوی کے رشتہ کو بجبر باقی رکھنے سے کہین بہتر ہے کہ اسے توڑ دیا جائے، وقتی اور آزمائشی
نکاح سے یہ فائدہ ہوگا کہ طرفین کو ایک دوسرے کے مزاج سے واقفیت ہو جائے گی اور
یہ معلوم ہو جائے گا کہ آیا وہ مستقل نکاح کے مستحق ہین یا نہین ہمین اپنی خواہشات نفسانی کو اپنے
قابو مین رکھنا چاہیئے تعیش پاک قلوب کے لیے غیر مضر بلکہ موجب لذت ہے، لیکن ناپاک
قلوب کے لیے آگ ہے جو جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے، نٹشے اس سلسلہ مین لکھتا ہے:-

"مستقبل مین شادی صرف روحانی رفاقت کی خاطر ہونی چاہیئے جس کی غرض و
غایت یہ ہو کہ ایک ایسی نسل کی بنیاد پڑے جو موجودہ نسل سے بہتر ہو، جو لوگ ہوس پرستی
کو کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہین ان کو "داشتہ" پر اکتفا کرنا چاہیئے، اگر کسی عورت
نے اپنے شوہر کی جسمانی صحت کی بنا پر اپنے تئین اسکی خواہشون پر قربان کر دیا تو پھر شادی کا
اصل مقصد فوت ہو گیا، ایسی صورت مین بیشبہہ انسانی آبادی مین اضافہ ہوگا مگر اتفاقیہ نسل کے
سدھارنے اور سنوارنے کا خیال بھی ذہن مین نہ آئے گا"

نٹشے نکاح کے متعلق حسب ذیل تجاویز پیش کرتا ہے:-

[1] ہرگز Meredith . G ایک مشہور شاعر اور ناول نگار تھا، ۱۸۲۸ء مین پیدا ہوا، قانون کی تعلیم حاصل
کی، مگر طبیعت کا میلان شاعری کی طرف تھا، اس نے متعدد نظمین اور قصیدے لکھے ۱۸۹۵ء مین اس نے
ایک نظم "Arranging Marriage" کے عنوان سے شائع کی جو بہت مشہور ہوئی۔

۱۔موروثی جائداد پر زیادہ محصول لگانا چاہیئے اور کنوارون کو عرصہ تک فوجی خدمت انجام دینا چاہیئے،

۲۔نکاح کے قبل مرد و عورت دونون کی صحت جسمانی کے متعلق ڈاکٹر کی سند ہونی چاہیئے اور اسکی تصدیق کلیسا والون سے بھی ہونی چاہیئے،

۳۔جن لوگون کی اولاد ذکور زیادہ ہون ان کو اورون کی بہ نسبت حقوق و اختیارات زیادہ ملنے چاہئین،

۴۔وقتی اور آزمائشی نکاح کا رواج دینا چاہیئے تاکہ زناکاری کا انسداد ہو سکے یا اسکی خرابیون کی اصلاح ہو سکے۔ایسی حالت مین اولاد کے حقوق کا پہلے سے خیال کر لینا چاہیئے،

۵۔نکاح کے قبل برسر اقتدار اشخاص اور پیشوایان دین کی منظوری لے لینی چاہیئے،

۶۔کمزورون اور اپاہجون کو اولاد پیدا کرنے کا موقع نہ دینا چاہیئے،

آخری تجویز کو (جسکی طرف لوگون کی توجہ عہد حاضر مین بہت زیادہ مبذول ہو رہی ہے اور جسکو امریکہ کی ریاستون مثلاً کا لیفورنیا، کنکٹیکٹ، انڈیانا، یوا، نوادہ، نیوجرسی اور نیویارک مین قانون کی تحت مین لایا جا چکا ہے) نٹشے شرح و بسط کے ساتھ یون بیان کرتا ہے:۔

"بعض لوگ (مثلاً دائم المرض اور نحیف و زار لوگ) کے لیے بچہ کا ہونا جرم ہے۔انسان کے ناکارہ ہونے کی ایک زبردست شناخت یہ ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو مین نہین رکھتا اور معمولی سی خواہش پر اپنے تئین قربان کر دیتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسی حالت مین پیشوایان دین اور ارباب حل و عقد کچھ نہین کر سکتے، یہ کام ڈاکٹرون کا ہے، ڈاکٹرون کے ذمہ متعدد فرائض مین جنمین سب سے زیادہ اہم فرض یہی ہے، چونکہ جماعت افراد کی حیات کی ذمہ دار ہے اسلیئے اس کا فرض ہے کہ وہ ناقص زندگی کا پہلے ہی سے خاتمہ کر دے، ناقص زندگی کا خراب اثر جماعت

پر بھی پڑتا ہے، اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ایسی زندگی کو عالم وجود مین آنے سے باز رکھے،
غرض حسب و نسب کا خیال کئے بغیر کمزورون اور ناکارون کے توالد و تناسل کا سلسلہ بجبر و
اکراہ منقطع کر دینا چاہیئے، حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی امت کو حکم دیا تھا کہ کسی کو قتل نہ کرنا
اس حکم سے کہین زیادہ ضروری یہ حکم تھا کہ ناکارون کو اولاد پیدا کرنے کا موقع نہ دینا" دنیائے
انسانی مین تندرست و مریض، دونون برابر نہین ہو سکتے، مریضون اور ناکارون کا خاتمہ جسطرح
ممکن ہو کر دینا چاہیئے، ورنہ آخر مین سب کو تباہ و برباد ہونا پڑے گا، مریضون کو تندرستون کے برابر
حقوق بخشنا اور کمزورون پر رحم کرنا اخلاق کے چہرہ کا ایک نہایت بدنما داغ ہے،

متحدہ یورپ

نکاح کے متعلق نٹشے کی بعض تجاویز قارئین کی نظر مین بہت بلند معلوم ہونگی لیکن
یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اس نے یہ تجاویز تیس سال قبل پیش کی تھین جبکہ تمدنیات کا زور نہ تھا، اُسے
معلوم تھا کہ اس قسم کی اصلاحات کو نافذ کرانے مین ابھی عرصہ درکار ہے، اسلیے وہ ان اشیاء
پر اعتراض کرنے لگا جنکو وہ انسانی ترقی کے لیے سدّ راہ سمجھتا تھا،

یہ یقینی ہے کہ تمدنی اصلاحات اس وقت تک نافذ نہین ہو سکتین جبتک "وراثت" کی
اصل حقیقت ہم اچھی طرح نہ سمجھ لین، اغلب ہے کہ ان اصلاحات کا نفاذ اسی وقت ہوگا جبکہ
نیک اخلاق لوگون کی بجائے عقلاء کا دور دورہ ہوگا جبکہ مرد و عورت دونون اقتصادی رو سے
آزاد و خود مختار ہونگے جبکہ قومی تعصب اور تنگ نظری کا قلع قمع ہو جائے گا، اور جب کہ وہ رقم
جو آج فوجی ضروریات مین صرف کی جا رہی ہے تعلیم (یعنی تمدنیاتی تعلیم) اور اجتماعی بہبودی
مین صرف کیجائے گی،

نٹشے نے ایک دو جگہ ضمناً اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیائے خاکی کی حکومت
ایک وقت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہوگی کہ یہان کے عقلاء اجرام فلکی پر بھی حکمرانی کرین گے

لیکن چونکہ یہ خیال ابھی پورا ہوتا نظر نہین آتا اس لیے اس نے "متحدہ یورپ" کے قیام کی طرف توجہ مبذول کی، چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

"آجکل یورپ کی سلطنتین صرف ذاتی مفاد کے لیے سرگرم کار ہین، یہ خود غرضی بہت دنون تک نہین رہ سکتی، یورپ کی موجودہ حالت پر نظر غائر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک نہ ایک روز انفرادی مفاد کی بجائے اجتماعی مفاد کا خیال کیا جائے گا اور یہ کہ موجودہ منافرت اور تنگ حالی آئندہ یگانگت اور خوشحالی کے لیے راستہ صاف کر رہی ہے، اقتصادی نقطۂ نظر سے ودل یورپ ایک ہو کر رہین گے، چونکہ یورپ کے ممالک مین قومی تعصبات کی وجہ سے بے گانگی اور اجنبیت بہت زیادہ پائی جاتی ہے، اور چونکہ ارباب حل و عقد بھی عموماً تنگ خیال واقع ہین (اور بھی وجوہات ہین جنکا ذکر کرنا یہان موزون نہین ہے) اسلیے یورپ کے آئندہ اتحاد کی علامات پر کسی کی نظر نہین پڑتی اور اگر پڑتی بھی ہے تو وہ سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، بلند خیال اور روشن ضمیر اشخاص کی روحانی اور پر اسرار کوششین "متحدہ یورپ" کے قیام کے لیے سامان بہم پہنچا رہی ہین، مثلاً نپولین، گیٹے، بتھوین، اسٹندھل، ہنیرک ہین، شوپنہار وغیرہ"

نٹشے صراحت کیساتھ یہ نہین بتاتا کہ آخر "متحدہ یورپ" کے قیام کی کیا صورت ہو، ایک جگہ وہ لکھتا ہے کہ روس کی زبردست اور تہدید آمیز قوت ایک روز یورپ کو مجبور کرے گی کہ وہ اپنے خانگی اور باہمی جھگڑون کو چھوڑ کر متحدہ طور پر اس نیم وحشی ملک کا مقابلہ کرے، نٹشے اپنے کو اور اپنے ہم خیالون کو فخریہ "یورپین" کہتا ہے کیونکہ "ہم اس معنی مین جرمن نہین ہین کہ طوائف الملوکی اور قومی منافرت کی تحریک ہو جو آج یورپ کے ممالک کو ایک دوسرے سے اجنبی اور بیزار بنائے ہوئے ہے، ہم یورپین ہین، اور اچھا یورپین ہونا اور یورپ کا دولتمند اور خوشحال وارث ہونا ہمارے لیے فخر کی بات ہے"

تعلیم | نٹشے نے تمدن و ترقی کے لیے دو شاہراہین بتائی ہین، ایک "متحدہ یورپ" کا قیام
تاکہ "فوق البشر" کی تحریک سارے یورپ مین پھیل جائے اور سارے یورپ کا نظامِ عمل
ایک ہو جائے، اور دوسری تعلیم و تربیت، جو درحقیقت تمام مصلحین کے لیے نہایت پرامن
اور محفوظ شہراہ ہے تعلیم و تربیت کا مقصد یہ ہے "نوجوانون کو تعلیم دو اور عوام کے خیالات درست کرو"
تعلیم پر نٹشے کا زور دینا قدرتی امر تھا، وہ پروفیسر تھا اور ۲۸ سال کی عمر مین ایک جدید
اور بہتر طریقۂ تعلیم پیش کرنے کی غرض سے "ہماری درسگاہون کا مستقبل" کے موضوع پر پانچ
خطبے دے چکا تھا، ان خطبون مین وہ ایک جگہ کہتا ہے "ہمارا مقصد عوام کی تعلیم نہین ہے
بلکہ صرف چند منتخب اور چیدہ اشخاص کی تعلیم ہے جو بعد کو عظیم الشان خدمات انجام دے سکین"
(یہ مقصد اس کے ریاست پسند مزاج کے شایانِ شان تھا)

نٹشے مدارس مین معلمینِ لسانیات کی کثرت پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ معلمین
حقیقی اساتذہ کے مقابلہ مین وہی نسبت رکھتے ہین جو جنگلی ہندوستانی حکیم حاذق او کامل
اطبا کے مقابلہ مین رکھتے ہین، اس کا خیال ہے کہ زباندانی کی کتابون کے پڑھنے سے صرف
حوصلے اور خیالات بلند ہو جاتے ہین اور لکھی ہوئی باتون کی وقعت بڑھ جاتی ہے اور بس،
نوجوانون، اور نونہالون کو مادی علوم اور کارآمد فنون کی تعلیم دینی چاہیئے،

سربرآوردہ اشخاص | اگرچہ "متحدہ یورپ" کا قیام اور اعلیٰ تعلیم کی ترویج نٹشے کے حصولِ مقصد کیلیے
مفید ذرائع ہین تاہم یہ دونون بجائے خود "غرض" سے زیادہ وقیع نہین ہین، اصل "جوہر" خود
انسان کی ذات ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نٹشے کو اس امر کا احساس تھا کہ "فوق البشر"
کی تحریک اگرچہ دلکش اور دلآویز ہے تاہم اسکی تشریح کما حقہ نہین کیگئی ہے، اسلیئے اس نے
عملی پہلو اختیار کیا، اور نوعِ آدم کی عام سطح سے بالاتر ایک جماعت (سربرآوردہ اشخاص کی)

قائم کرنے کی کوشش کی، اسکا ہمیشہ یہ خیال رہا کہ صرف چند نفوس مخصوصہ کا اقتدار ہونا چاہیے۔ اس ضمن مین وہ لکھتا ہے:

"زبردست رہنماؤن اور ذی اختیار ہستیون کے ہاتھ مین بنی نوعِ آدم کے خیالات وحسیات کی باگ ہونی چاہیئے، اگرچہ وہ ہمیشہ باہمی اختلاط وارتباط کے ذریعہ سے ان شخصیتون سے بے نیاز ہونے کی کوشش کرتے رہینگے، یہ زبردست ہستیان ایک روز افرادِ انسانی کو نیک اخلاق کے بدلے عقلمند بنائینگی اور "فوق البشر" کی آمد کے لیے راستہ صاف کرینگی، یہ درحقیقت "فوق البشر" تک پہنچنے کے لیے زینہ ہین"

سربرآوردہ اشخاص مین حسب ذیل صفات ہونی چاہئین:-

۱- خاموش، سنجیدہ، مستقل مزاج اور صبر و استقلال کے ساتھ اپنے کامون مین مصروف رہنا چاہیے

۲- اپنے خیالات وجذبات کو اپنے قابو مین رکھنا چاہیئے،

۳- خوش مزاج، سادہ لوح اور غرور وتکبر سے مبرّا ہونا چاہیئے،

۴- حکمرانی کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے اور بوقتِ ضرورت فرمانبرداری کے لیے بھی تیار ہونا چاہیئے کیونکہ حاکمی اور محکومی دونون مین ان کی اغراض پوری ہونگی،

۵- خطرہ مین پڑنے کے لیے ہروقت مستعد اور ہمیشہ بے فکر رہنا چاہیئے،

نٹشے کہتا ہے کہ "اچھے یوروپینون" کی جماعت کو اپنے خصائل وعادات پر شرمندہ ہونے کی نوبت نہ آئے گی کیونکہ وہ اگرچہ لامذہب اور بداخلاق جماعت ہوگی تاہم وہ عوام کے مذہب واخلاق کی نگہداشت کرے گی، ہم "اچھے یوروپینون" کو عوام کے اخلاق کی غیر مشروط حفاظت کرنی چاہیئے، ہمین ایسے تمدن پر اعتماد نہین رکھنا چاہیے جو اخبار خوانی، یا اخبار نویسی کو جائز قرار دے،

سربرآوردہ اشخاص کو شریف النفس ہونا چاہیئے، ان مین ظاہرداری، تہذیب، خاموشی اور توقف پسندی ضرور ہوگی، وہ قطعاً غربت وافلاس اور تکلیف وآزار برداشت

کرنے کے لئے تیار رہیں گے، ان کا اعتقاد ہوگا کہ مزدوری اگرچہ شرم وعار کی موجب نہیں ہے تاہم اس سے عزّت میں فرق آجاتا ہے، وہ بہت زیادہ خلیق، ملنسار اور سلیم الطبع ہونگے، لیکن ان تمام اوصاف سے بڑھکر ضروری چیز "خداداد قابلیت" ہے اور اس کے بعد اطاعت وفرمانبرداری ہے، نٹشے کا خیال ہے کہ اگر کسی شے سے انسان کا اصلی جوہر ظاہر ہو سکتا ہے تو وہ اپنے مسلک پر مستقل طریقہ سے اڑا رہنا ہے،

سربرآوردہ اشخاص کی مخالفت وہ لوگ ضرور کرینگے جو زبردست شخصیتوں کی راہ میں عموماً روڑے اٹکاتے رہتے ہیں اور جو ان ہستیوں کے لیے زنجیر پا ہوتے ہیں جو حصولِ مقصد میں سرگرمِ کار ہوتی ہیں، ایسے لوگ انسانی توقعات کے لیے سم قاتل ہیں وہ لوگ جو ایسی برگزیدہ ہستیوں کی آمد پر اعتقاد نہیں رکھتے اور جو تمام افراد انسانی کو مساوی قرار دیتے ہیں درحقیقت گنوار اور رذیل ہیں، سربرآوردہ اشخاص "فلسطنی"[1] کی تجاویز (جو معمولی خصائل، ذلیل تدابیر، عامیانہ خیالات، سوقیانہ مباحث، قابلِ افسوس طرزِ معاشرت اور عوام کی عافیت کا مجموعہ ہیں) کا قلع قمع کردینگے،

سربرآوردہ اشخاص کو باہمت ہونا چاہیئے اور اپنے وقت کے مخالفین سے برسرپیکار رہنا چاہیئے، انھیں اپنے آپ کو عالمگیر توقعات سے محسوس کردینا چاہیئے اور امید کے بھروسہ پر ہمیشہ آگے بڑھتے رہنا چاہیئے، موجودہ حالت میں منطقی پیچ، التباس اور مغالطہ لازمۂ ترقی ہیں، مغالطہ بسا اوقات "حق" سے بڑھکر انسان کی حیات وبقا میں معاون ہوتا ہے، نٹشے لکھتا ہے کہ "میں تمھیں محبت اور امید کی قسم دیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اپنی روح کے ہیرو کو ضائع نہ کرو اور اپنی بلند توقعات کو قائم رکھو،

[1] PHILISTINES فلسطین کے جنوبی حصہ کے باشندوں کو کہتے ہیں، یہ لوگ اوائل زمانہ سے یورپ کی نظر میں "اشتراکی" معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان میں باہمی اخوت ومودت اور مساوات وبرابری کی تعلیم ہوتی تھی

نٹشے کو سر برآوردہ اشخاص کے وجود کا پورا یقین تھا، وہ کہتا ہے کہ "مین اس بات کی علامات کا مشاہدہ کر رہا ہون کہ دلیری اور بہادری کا دور دورہ ہوگا اور اصلاحات کی بھرآؤ بھگت کیجائے گی، یہ دور دراصل ایک دوسرے دور کا پیش خیمہ ہوگا، موخرالذکر دور سچائی کو علم کا جزو اعظم قرار دے گا اور خیالات اور خیالات کے نتائج کے لیے جنگ کریگا"

جس فخر و ابتہاج کے ساتھ ایک مکتشف کسی جدید دریافت شدہ جزیرہ کا الحاق کرتا ہے، اور وہان اپنے بادشاہ کا جھنڈا نصب کرتا ہے، اسی فخر و ابتہاج کے ساتھ تمدن کا علمبردار نٹشے بھی اپنے اکتشاف (سر برآوردہ اشخاص) کا تذکرہ یون کرتا ہے:۔

"بھائیو! مین ایک جدید جماعت انسانی (سر برآوردہ اشخاص کی جماعت) کی طرف تمھین متوجہ کرتا ہون، تم ہی مستقبل کیلئے تخم ریزی اور آبیاری کروگے، یہ وہ جماعت نہین ہے جسے تم تاجرون کی طرح زر و مال سے خرید سکو، کیونکہ جس شئی کی قیمت ہو سکتی ہے وہ بے قیمت ہے، خواہ وہ کتنی ہی قیمتی ہو، تمھین اپنی ابتدار پر فخر نہین کرنا چاہیئے اور یہ نہین دیکھنا چاہیئے کہ کہان سے آئے ہو بلکہ اپنی انتھا پر فخر کرنا چاہیئے اور غور کرنا چاہیئے کہ کہان جا رہے ہو،

بھائیو! تمھاری جماعت منھ نہ موڑے گی پیچھے نہ دیکھے گی، بلکہ صرف آگے کی طرف نظر رکھیگی تم اپنے آبائی گھوارہ کو چھوڑ کر اپنی اولاد کے گھر سے محبت کروگے، اور یہی محبت پیش خیمہ ہے سر برآوردہ اشخاص کے وجود کا، اس جماعت کا حال اب تک دور دراز سمندرون کے پار بھی نہین معلوم ہوا ہے، اسی لیے تمھین دائمی جستجو اور ابدی تلاش کا حکم دیتا ہون"

"تمت بالخیر"